فکری، اصلاحی، دینی مجلہ
ماھنامہ
حوصلہ
جلد ۱
شمارہ ۴
MONTHLY HOSLA
اگست ۲۰۱۵ء شوال/ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ

امارت اسلامیہ کا مستحسن قدم!

افغان طالبان نے عملاً اپنا سیاسی وجود بین الاقوامی سطح پر تسلیم کروالیا ہے!

امیر المومنین ملّا عمر مجاہدؒ کے بصیرت افروز فیصلے اپنا آپ منوا رہے ہیں!

عنقریب طالبان ایک گروہ نہیں اسلامی ریاست کے تشخص سے پہچانے جا رہے ہوں گے!

اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ

مزاح اور خوش طبعی اسلام کی نظر میں

سیکولرزم کی تباہ کاریاں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی کو ہ تہامہ والوں کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے۔۔

خدا کے آزاد بندوں کے نام!

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں ، اور زکوٰۃ ادا کریں، وہ غلامی سے آزاد ہیں۔محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حاکم ہیں۔، ان کو بجران کے قبیلوں میں واپس نہیں کیا جائے گا۔اور نہ ہی سابقہ جرائم پر ان سے کوئی باز پرس کی جائے گی۔جن لوگوں پر ان کا قرض واجب ہو گا۔وہ ان کو دلایا جائے گا۔ان لوگوں پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی جائے گی۔مذکورہ بالا امور پر ان لوگوں کے لیے جو اسلام لائیں اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

فکری، اصلاحی، دینی مجلہ
ماہنامہ
حوصلہ
جلد ۱
شمارہ ۴
MONTHLY HOSLA
اگست ۲۰۱۵ء شوال/ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ

صفحاتِ مجلّہ

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَالَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدِّ باب کر دیتے ہیں جن کا سدِّ باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲ص ۱۰، کنزالعمال)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوَامَانِ لَایَصْلَحُ وَاحِدٌ مِّنْهُمَا اِلَّا بِصَاحِبِہٖ فَالْاِسْلَامُ اُسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا اُسَّ لَہٗ لَیَهْدِمُ وَمَا لَا حَارِسَ لَہٗ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنزالعمال)


monthlyhosla@gmail.com
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تجاویز اور پُرمغز تحریریں اس برقی پتہ پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk/blog

facebook.com/ehtadal

twitter.com/molanaismatulah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

ترجمہ: ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو،

اور جب وہی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے۔ (آل عمران: ۹۲)

درسِ قرآن

فی سبیل اللہ محبوب مال خرچ کیا جائے!

اس آیت میں اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے

کہ خیر (کامل) تمہیں نہیں مل سکتی جب تک کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی رضا کے لیے خرچ نہ کرو،

حضرات صحابہ کرام ایک ایک حکم پر عاشق تھے، جب آیت بالا نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی محبوبات پر نظر ڈالی

کہ ہماری محبوب چیزیں کیا کیا ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حضرت انس (رض) فرماتے ہیں کہ

انصار مدینہ میں باغوں کی ملکیت کے اعتبار سے سب سے زیادہ مالدار حضرت ابوطلحہ (رض) تھے، مسجد نبوی کے مقابل ان کا باغ تھا جس میں ایک کنواں بیرحاء کے نام سے موسوم تھا، رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء کا پانی پیتے تھے، حضرت ابوطلحہ (رض) کا یہ باغ ان کو اپنی جائیداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے ثواب کی امید رکھتا ہوں اور اللہ کے یہاں اس کو ذخیرہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ جس کام میں پسند فرمائیں اس کو اپنی صوابدید سے جیسے اللہ آپ کے دل میں ڈالے خرچ فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عظیم منافع کا باغ ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اقرباء میں تقسیم کر دو، حضرت ابوطلحہ (رض) نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور اپنے اقرباء اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم فرما دیا۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۹۷: ج۱) حضرات صحابہ (رض) کے بعض واقعات: تفسیر درمنثور میں اس طرح کے اور بھی واقعات لکھے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر (رض) کو اپنے مال میں ایک رومی لونڈی جس کا نام مرجانہ تھا سب سے زیادہ محبوب تھی۔ آیت شریفہ سن کر انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری (رض) کو حضرت عمر (رض) نے لکھا کہ جلولاء کے قیدیوں میں سے ایک باندی میرے لیے خرید لو جب وہ باندی آگئی تو حضرت عمر (رض) نے آیت بالا پڑھی اور اسے آزاد فرمایا۔ حضرت محمد بن المکندر رنے بیان فرمایا کہ جب آیت بالا نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ (رض) نے اپنا گھوڑا صدقہ میں دے دیا۔ کیونکہ وہ ان کو سب سے زیادہ محبوب تھا۔ (صفحہ ۲۰: ج) ہر شخص کی محبوبات الگ الگ ہیں اور جس شخص کے پاس پیسہ کم ہو وہ اس میں سے اللہ کے لیے خرچ کر دے تو وہ بھی اس آیت کے مفہوم میں شامل ہے۔ کیونکہ کم مال ہونے کی وجہ سے پیسہ زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ہو یا صدقات واجبہ یا نافلہ ان میں سب سے اچھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے اور اپنی محبوب چیزیں مستحقین میں خرچ کی جائیں۔ اگر کوئی شخص ایسی چیز کو اللہ کی راہ میں دیدے جو اس کی ملکیت تو ہے لیکن ضرورت سے زائد ہے جیسے پرانے اتارے ہوئے کپڑے تو اس کا بھی اجر ہے۔ البتہ جس چیز سے محبت ہو اس کے خرچ کرنے میں زیادہ ثواب ہے اسی لیے بعض مفسرین نے اَلْبِرّ کی تفسیر الخیر الکامل سے کی ہے۔ یعنی کامل ثواب اسی میں ہے جبکہ محبوب چیز خرچ کی جائے۔ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیز محبوب نہیں اسے خرچ نہ کرو مطلب یہ ہے کہ محبوب چیز خرچ کرنے کی طرف رغبت کرو۔ آیت کے آخر میں جو فرمایا (وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ) اس کے عموم سے اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عمر (رض) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نیا کپڑا پہنا پھر یوں کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا اُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس کے ذریعہ اپنی شرم کی جگہ کو چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعہ جمال حاصل کرتا ہوں) پھر اس کے بعد اس کپڑے کو صدقہ کر دیا جسے پرانا کیا تھا تو اللہ کی حفاظت میں اور اللہ کی طرف سے پردہ پوشی میں ہوگا۔ زندگی اور موت کے بعد۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۷۷)

(مولانا عاشق الٰہیؒ بلند شہری)

ادار یہ

حرفِ حق

امارت اسلامیہ کا مستحسن اقدام!

افغان طالبان نے عملاً اپنا سیاسی وجود بین الاقوامی سطح پر تسلیم کروالیا ہے!

امیرالمومنین ملّا عمر مجاہدؒ کے بصیرت افروز فیصلے اپنا آپ منوا رہے ہیں!

عنقریب طالبان ایک گروہ نہیں اسلامی ریاست کے تشخص سے پہچانے جا رہے ہوں گے! انشاءاللہ

نائن الیون کے بعد جس طرح مغرب نے افغان سرزمین کے بے سروسامان عوام پر چڑھائی کی ۔ دنیا کے بیالیس ممالک مشترکہ فورس تشکیل دے کر کیل کانٹے سے لیس ہوکر افغان سرزمین پر چڑھ دوڑے ۔ ابتدائی مرحلہ حملہ آوروں کے لیے فتح ومسرت کی خبر لایا۔ قابض فورسز کو مکمل افغانستان کے طول وعرض پر کنٹرول حاصل ہوگیا۔ طالبان کو دیس نکالا دے دیا گیا۔ ایک کٹھ پتلی حکومت تشکیل دے کر افغانوں کو آزادی کا خودساختہ پروانہ دینے کا اعلان کیا گیا۔ تاریخ گواہ اور آسمان شاہد ہے کہ افغان سرزمین نے کبھی بھی بیرونی جارحین کو برداشت نہیں کیا۔ سکندراعظم کی رسوائی سے لے کر سوویت یونین کی بربادی تک ۔۔۔ سب کا غرور اسی زمین پر خاک ہوا۔ امریکہ اور اس کے حواریوں نے تاریخ کا مطالعہ کیے بغیر اور افغان قوم کی نفسیات سمجھے بغیر ان دیکھی جنگ کو اپنا رزق بنا ڈالا۔ پھر کیا تھا۔ آسمان وہی نظارہ دیکھ رہا تھا جو اس مٹی پر بہت بار وہ دیکھ کر محظوظ ہوا تھا۔ ۱۴ سالہ جنگ میں امریکہ کو ہر گزرے دن ایک نئی ہزیمت کا بوجھ اُٹھانا پڑتا۔ بالآخر امریکی فورسز اور ان کے اتحادیوں کو خاک چاٹنا ہی پڑی۔ ذلت ورسوائی کی کالک چہروں پر سجائے ۔۔۔ یہ جا ۔۔۔ اور وہ جا ۔۔۔ امریکی سربریت نے کئی لاکھ لوگ بے گھر کیے ۔ دسیوں ہزار قبریں آباد ہوئیں اور ہزاروں زندگی بھر کے لیے معذور ہوئے۔ خود کئی ہزار امریکی فوجی کروسیڈ وار کی بھینٹ چڑھ گئے ۔ دسیوں ہزار معذور ہوکر انجام بد کی علامتیں بن گئے۔ آنے والی امریکی نسلوں کے لیے انجامِ بد کی نشانی بن کر رہ گئے ۔ اور نیٹو، نان نیٹو اتحادی بھی اپنے حصے کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے کمر ٹیڑھی کروا بیٹھے۔ افغانستان کی ایک جائز اور محبِ اسلام حکومت کا خاتمہ امریکیوں کا ایک بدترین عمل تھا۔ ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۱ء تک کی طالبان حکومت جو امارت اسلامیہ افغانستان کے نام سے معروف تھی ۔ اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ قائم تھی ۔ عدل وانصاف لوگوں کو دہلیز پر میسر تھا۔ قتل وغارت کا مکمل خاتمہ ہو چکا تھا۔ بدامنی بے نشان بن گئی تھی ۔ کاروباری سرگرمیاں مکمل سکون سے جاری تھیں ۔ طالبان کے زیرقبضہ تمام علاقوں میں مسلمان تو مسلمان کفار کو بھی مکمل تحفظ حاصل تھا، اپنے بیگانے طالبان کے زیراثر علاقوں میں مثالی امن کے قائل تھے ۔ پھر آخر کیا وجہ تھی کہ ۹/۱۱ کو بہانہ بنا کر افغان سرزمین پر چڑھی کر دی گئی ۔ نائن الیون سے پہلے ایسی کئی خفیہ رپوٹیں منظرعام پر آچکی تھیں کہ امریکہ طالبان حکومت کے خلاف کسی جارحیت کا منصوبہ رکھتا ہے، طالبان حکومت کے خاتمے کا خواہش مند ہے ۔ وجہ صاف ظاہر تھی عرصہ ہائے دراز کے بعد مسلمانوں کے لیے ایک قابلِ تقلید مثالی حکومت قائم ہوئی تھی ۔ دنیا بھر کے طول وعرض سے لوگ امارت اسلامیہ کے شفیق سائے میں آنے کے لیے کھچے چلے آرہے تھے، صدیوں بعد اصول شریعت سے ہم آہنگ ایک

اسلامی حکومت اور ایک شرعی امیر کا سایہ رحمت میسر آیا تھا۔اس نظام کے مستقل نفاذ سے جو خیر و برکتیں جنم لے رہی تھیں ان کے پاکیزہ اثرات پاکستان سمیت وسطی ایشائی ریاستوں تک پھیل رہے تھے۔ یہود و نصاریٰ انہیں اثرات سے خائف تھے۔ کیونکہ ان کے خود ساختہ نظام کی قلعی کھل کر رہ جاتی۔ لہذا اُنھوں نے اس باب کو بند کرنے کے لیے انتہائی قدم اٹھایا اور امارت اسلامیہ کے سقوط پر جا کر منتج ہوا۔لیکن اسلام کے بیٹوں نے حوصلے اور ہمت سے آراستہ ہو کر شکست کی سوچ کو شکست دے کر ایک ایسی جنگ کی داغ بیل ڈالی جس سے چودہ سال کے قلیل عرصے میں ۴۲ ممالک شکست سے دو چار ہو گئے۔ پچھلے چار سالوں سے امریکہ میدان میں ہاری ہوئی جنگ سے نکلنے کے لیے مذاکرات کے ذریعے قابل عزت فرار کا راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ گزشتہ چار سالوں میں طالبان کی سیاسی بصیرت نے اپنا لوہا دنیا سے منوا لیا۔خون سے افغان سرزمین کو سرخ کرنے والے آج فرانس، قطر اور چین میں طالبان قیادت کے راستے میں سرخ قالین بچھانے پر مجبور ہیں۔ افغان طالبان نے عملاً اپنا سیاسی وجود بین الاقوامی سطح پر تسلیم کروالیا ہے! کچھ جذباتی اور غیر سیاسی فہم کے مالک طالبان کے اس عمل پر نکتہ چینی کرتے ہیں حالانکہ آقا مدنی کریم کی زندگی میں ہونے والے جہاد کے ساتھ ساتھ مذاکرات اور معاہدوں کی بھی ایک بڑی مثال موجود ہے۔ مقاتلین سے مذاکرات کی قرآن وحدیث اور فقہ میں ایک مکمل اجازت وبحث موجود ہے، قتال بھی شریعت کی راہنمائی میں ہورہا ہے اور مذاکرات بھی شریعت اسلامیہ کی راہنمائی میں ہورہے ہیں۔ امیر المومنین ملاّ عمر مجاہدؒ کے بصیرت افروز فیصلے اپنا آپ منوا رہے ہیں۔ اس ضمن میں عالیقدر امیر المومنین ملاّ محمد مجاہدؒ کی طرف سے ایک وضاحت کی گئی ہے۔ جسے ان سطور میں جگہ دی جارہی ہے۔ ''مسلح جہاد کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمی اور مصالحتی تدابیر سے اپنے مقدس اہداف تک رسائی ایک شرعی امر اور نبوی سیاست کا اہم حصہ ہے۔ ہمارے مبارک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح بدر اور خیبر کے میدانوں میں کفار سے جنگیں لڑی ہیں اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے مفادات کی خاطر معاہدے بھی کیے، کفار کے نمائندوں سے مذاکرات کیے، پیغامات اور سفیر بھیجے حتیٰ کے مختلف مواقع پر حربی کفار کے ساتھ آمنے سامنے بات چیت کی سیاست بھی کی۔ اگر ہم شرعی ہدایات کو پوری دقت نظر سے دیکھیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ دشمن سے ملاقاتیں یا کچھ مواقع پر مصالحتی تعامل منع نہیں ہے۔ بلکہ منع یہ ہے کہ اسلام کے بلند موقف سے تنزل کیا جائے اور شرعی اوامر پامال کر دیے جائیں ۔ہم سیاسی سرگرمیاں اور دنیا کے مختلف ممالک یا افغانوں سے رابطے اور ملاقاتیں اس لیے کر رہے ہیں کہ جارحیت اختتام کو پہنچے اور ایک آزاد و خود مختار اسلامی نظام ملک پر حاکم ہو جائے اور یہ ہمارا شرعی حق ہے کہ ہم تمام شرعی طریقوں کا استعمال کریں۔ کیوں کہ ہماری منظم اور ذمہ دار انتظامیہ کے پیچھے پوری قوم موجود ہے۔ ہم انسانی معاشرے میں رہتے ہیں، ایک دوسرے کا احتیاج رکھتے ہیں۔ مجاہدین اور پوری قوم کو مطمئن رہنا چاہیے کہ اس سلسلے میں اپنے شرعی موقف کا ہر میدان میں پوری قوت سے دفاع کروں گا۔ سیاسی سرگرمیوں کے لیے سیاسی دفتر بنا دیا ہے، ہر طرح کے سیاسی معاملات آگے بڑھانے کی ذمہ داری انہیں کے ذمہ ڈال دی گئی ہے۔ ہم افغانستان میں جہادی صف کے ایک ہونے پر اصرار کرتے ہیں، اس لیے کہ ایک تو یہ الٰہی حکم ہے اور دوسرا یہ کہ گروپوں کی کثرت کی وجہ سے سوویت جارحیت کے خلاف گذشتہ جیتی ہوئی جنگ کی کامیابی اپنے ہاتھ سے نکلتی ہوئی ہم دیکھ چکے ہیں۔'' اس جاندار اور شاندار وضاحت اور جامع موقف کو پڑھ لینے کے بعد اگر کوئی شخص طالبان کے موقف کو غلط کہے تو یہ ایک بے جان اور سطحی رائے ہوگی۔ امارت اسلامیہ مکمل حق بجانب ہے کہ وہ جس سے چاہے بات چیت کرے اور جس سے چاہے بات چیت کا باب بند کر دے۔ شریعت کے سنہرے اور نورانی اصول ان کے پیش نظر ہیں۔ عنقریب طالبان ایک گروہ نہیں اسلامی ریاست کے تشخص سے پہچانے جا رہے ہوں گے! ہم ان سطور میں امارت اسلامیہ افغانستان پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے ان سیاسی اقدامات کو قابلِ تقلید و تحسین قرار دیتے ہیں، ہر سنجیدہ اور باوقار فورم پر انہیں حمایت اور وکالت کا یقین دلا رہے ہیں۔ اہل اسلام اور بالخصوص علماء کرام اس اہم موقع پر کسی بھی بدظنی کا شکار نہ ہوں۔ امیر المومنین ایک کڑے امتحان اور مشکل گھڑی میں سرفراز ہو کر گزر چکے ہیں۔ ان فتح کے لمحات میں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے امیر المومنین ملاّ محمد عمر مجاہدؒ اور ان کے رفقا صائب فیصلوں سے امت مسلمہ کا سر فخر سے بلند ہی رکھیں گے۔ انشاء اللہ



امانت اور اخلاق مسلم

مبصر الرحمن قاسمی

آپ ﷺ نے فرمایا: عثمان! یہ لیجیئے تمہاری چابی، آج نیکی اور وفاداری کا دن ہے!

حقوق کی ادائیگی اور ان کی حفاظت کرنا امانت ہے، لہٰذا مسلمان ہر حقدار کا حق ادا کرتا ہے!

لوگوں کا امیر ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں سے متعلق پوچھا جائے گا!

فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے، کعبہ کا طواف فرمایا، طواف ہونے کے بعد کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور ان سے کعبہ کی چابی لے کر کعبہ بھی فتح کرلیا، پھر آپ ﷺ کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر فرمایا: ''لا إله إلا الله وحده، صدق وعده، ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده'' پھر آپ بیٹھ گئے، علیؓ بن طالب کھڑے ہوئے، اور کہا: اے اللہ کے رسول، حجاج کو پانی پلانے اور کعبۃ اللہ کی چابی کی ذمہ داری ہمیں سونپ دیجیئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟ انہیں بلایا گیا، وہ آئے، آپ نے فرمایا: عثمان! یہ لیجیئے تمہاری چابی، آج نیکی اور وفاداری کا دن ہے۔ [سیرت ابن ہشام] اسی اثناء آیت قرآنی نازل ہوئی: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا۔ (النساء: 58) ''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کردیا کرو''، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاج کو پانی پلانے اور کلید کعبہ کی ذمہ داری اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اہل امانت کے سپرد فرمائی اور حضرت علی کو اس سے دور رکھا۔

امانت کیا ہے؟

حقوق کی ادائیگی اور ان کی حفاظت کرنا امانت ہے، لہٰذا مسلمان ہر حقدار کا حق ادا کرتا ہے، اللہ کا حق عبادت کے ذریعے ادا کرتا ہے اور اپنے اعضاء کو حرام سے بچاتا ہے۔ امانت اسلام کا بہترین خلق ہے، امانت اسلام کی بنیاد ہے، یہ ایک عظیم فریضہ ہے جسے انسان نے اٹھایا ہے، جبکہ اسی فریضہ کو سنبھالنے سے آسمان وزمین اور پہاڑوں نے اس کے بوجھ اور عظمت کی وجہ سے انکار کردیا، فرمان باری تعالیٰ ہے: إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً (الأحزاب: 72) ''ہم نے بارِ امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بیشک وہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں امانتوں کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا (النساء: 58) ''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کردیا کرو''، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے ایمان اور اخلاق کی دلیل امانت قرار دی ہے، فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له (أحمد) ''اس کا ایمان نہیں

جسے امانت کا پاس ولحاظ نہیں، اور اس کا دین نہیں جس کے پاس عہد و پیمان کا پاس ولحاظ نہیں۔''

امانت کی قسمیں:

امانت کی بہت ساری قسمیں ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) عبادت میں امانت:

عبادت میں امانت یہ ہے کہ انسان دین کے تمام فرائض کو کما حقہ ادا کرے، نماز، روزہ، والدین کی فرمانبرداری اور دیگر وہ فرائض اور واجبات جو ہم پر ضروری ہیں اللہ کی امانت سمجھ کر انہیں سرانجام دے۔ اعضاء وجوارح کی حفاظت کرنا امانت ہے: مسلمان پر ضروری ہے کہ اس کے سارے اعضاء اس کے پاس امانت ہے، لہٰذا ان کی حفاظت ضروری ہے، اپنے اعضاء کو ان چیزوں میں استعمال نہ کرے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہو، آنکھ امانت ہے، ضروری ہے کہ اسے ناجائز چیزوں پر ڈالنے سے بچائے، کان امانت ہے، ضروری ہے کہ حرام سننے سے اس کی حفاظت کرے، ہاتھ امانت ہے، پیر امانت ہے اور اسی طرح دیگر تمام اعضاء امانت ہیں۔

(۲) رقم اور چیزوں میں امانت:

رقومات اور چیزوں کی حفاظت کرنا، اور انہیں ان کے مالکوں تک جب وہ طلب کرے اپنی اصل حالت میں پہنچانا بھی امانت میں شامل ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ کیا، مشرکین اپنی اشیاء آپ کے پاس بطور امانت رکھا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اہل مکہ کے درمیان صدق وامانت میں مشہور تھے، اہل مکہ آپ کو صادق وامین کے لقب سے پکارتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی، تو حضرت علی بن ابی طالب کو مشرکین کے سامان اور امانتوں کا ذمہ دار بنایا تھا۔

(۳) کام میں امانت:

یہ امانت میں شامل ہے کہ انسان اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دے، لہٰذا ایک مزدور کو اپنا کام بحسن وخوبی اور امانت سمجھ کر انجام دینا چاہیے، طالب علم کو اپنے فرائض بخوبی سرانجام دینا چاہیے، علم کی تحصیل میں محنت کرنا چاہیے، اور اپنے والدین کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

> ''منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدے کو توڑے، اور جب اسے امین بنایا جاتے تو خیانت کرے''

(۴) بات چیت اور کلام میں امانت:

یہ امانت میں شامل ہے کہ مسلمان اچھی بات کرے، زبان سے نکلنے والے الفاظ کی اہمیت اور قدر کو جانے، چونکہ ایک ہی کلمہ بسا اوقات انسان کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور اس کے بدولت وہ متقین میں شامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ۔ (ابراھیم: 24) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے وہ ایسی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوں۔'' اسی طرح کبھی انسان زبان سے ایسا کفریہ کلمہ ادا کر دیتا ہے جس کے باعث وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے کلمے کو ناپاک درخت سے تشبیہ دی ہے، ارشاد فرمایا: وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِن فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِن قَرَارٍ۔ (ابراھیم: 26)

''اور ناپاک بات یعنی غلط عقیدے کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے کہ وہ زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے، اس کو ذرا بھی قرار وثبات نہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ کی اہمیت اور اس کے اثرات بیان فرمائے: إن الرجل لَيَتَكَلَّمُ بالكلمة من رضوان الله، ما كان يظن أن تبلغ ما بلغتْ، يكتب الله له بها رضوانه إلى يوم يلقاه، وإن الرجل ليتكلم بالكلمة من سخط الله، ما كان يظن أن تبلغ ما بلغتْ، يكتب الله له بها سخطه إلى يوم يلقاه۔ [مالك]

''ایک آدمی ایک کلمہ اللہ کی رضامندی کا بولتا ہے، اسے نہیں معلوم کہ وہ کہاں تک پہنچے گا، تو اس کلمے کی بناء پر اس کیلئے قیامت تک اللہ کی رضامندی لکھ دی جاتی ہے۔ اسی طرح آدمی اللہ کی ناراضگی کا کوئی کلمہ بولتا ہے، اسے نہیں معلوم کہ وہ کہاں تک پہنچے گا، تو اس کلمے کی وجہ سے اس کیلئے قیامت تک اللہ کی ناراضگی لکھ دی جاتی ہے۔'' مسلمان اچھی اور اللہ سے قریب کرنے والی بات بولتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: والكلمة الطيبة صدقة۔ [مسلم] ''اچھی بات صدقہ ہے''

(۵) ذمہ داری امانت ہے:

ہر ذمہ دار انسان کسی نہ کسی چیز کا ذمہ دار ہے، لہٰذا وہ چیز اس کے گلے میں امانت ہے، چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم، والد ہو یا بیٹا یا پھر وہ مرد ہو یا عورت، ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے

بارے میں پوچھا جائے گا۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: ألا كلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته، فالأمير الذي على الناس راعٍ وهو مسئول عن رعيته، والرجل راعٍ على أهل بيته وهو مسئول عنهم، والمرأة راعية على بيت بعلها (زوجها) وولده وهي مسئولة عنهم، والعبد راع على مال سيده وهو مسئول عنه، ألا فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته۔ [متفق عليه]

''سنو! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے، اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحتوں سے متعلق پوچھا جائے گا، لوگوں کا امیر ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں سے متعلق پوچھا جائے گا، مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے اولاد کی ذمہ دار ہے، اور اس سے ان سے متعلق پوچھا جائے گا، غلام اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا، سنو! تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے ماتحتوں سے متعلق پوچھ ہوگی۔''

(۶) راز کی حفاظت کرنا امانت ہے:

مسلمان اپنے بھائی کے رازوں کی حفاظت کرتا ہے، اس میں خیانت نہیں کرتا، اور اس کے رازوں کو افشاء نہیں کرتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إذا حدَّث الرجل بالحديث ثم التفت فهي أمانة۔ [أبو داود والترمذي] ''جب آدمی بات کرے پھر (بات کے دوران) اپنے آس پاس دیکھے (کہ کوئی سن نہ سکے)، تو اس کی بات امانت ہے''۔

(۷) خرید وفروخت میں امانت:

مسلمان کسی کو دھوکہ نہیں دیتا، نہ دھوکہ کھاتا ہے اور نہ خیانت کرتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گذرے، جو غلہ بیچ رہا تھا، آپ نے اپنا ہاتھ غلہ کے ڈھیر میں ڈالا، تو آپ نے اسے گیلا پایا، آپ نے فرمایا: یہ کیا ہے، اے غلہ والے؟ اس آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول بارش ہوئی، اس لیے، تو آپ نے فرمایا: تم نے اسے اوپر کیوں نہیں کیا کہ لوگ دیکھ لیں؟ جس نے دھوکہ دیا وہ ہم سے نہیں''۔ [مسلم]

امانت کی فضیلت:

جب لوگ امانت کا خیال رکھیں گے، خیر کے دروازے کھلیں گے، محبت عام ہوگی، اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں کی تعریف فرمائی جو امانت کا لحاظ رکھتے ہیں، ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ۔ (المعارج: 32).

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد وپیمان کا پاس کرتے ہیں۔ آخرت میں امانتدار لوگ اپنے رب کی خوشنودی، اور آسمان وزمین کی اتنی جنت جو متقین کے لیے تیار کی گئی حاصل کر کے کامیاب قرار پائیں گے۔

خیانت:

ہر وہ انسان جو اپنی امانت کو ادا نہیں کرتا خیانت دار ہے، اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّاناً أَثِيماً (النساء: 107) ''اللہ تعالیٰ دغاباز اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا'' اللہ تعالیٰ نے خیانت نہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَخُونُواْ اللهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُواْ أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (الأنفال: 27) ''اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول سے خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم ان باتوں کو جانتے ہو''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کے ساتھ امانت کا پاس ولحاظ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو خیانت کرے اس کے ساتھ ہم خیانت نہ کریں۔ آپ کا ارشاد ہے: أَدِّ الأمانة إلى من ائتمنك، ولا تَخُنْ من خانك۔ (أبو داود والترمذي وأحمد)

جو تمہیں امین بنائے، اس کی امانت ادا کرو، اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

خیانت کا انجام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ خیانت کرنے والے کو خیانت کی وجہ سے عذاب جہنم ہوگا، اور قیامت کے دن افسردگی اور ندامت کا سامنا ہوگا، قیامت کے دن ذلیل وخوار اور پشیمانی کے ساتھ آئے گا، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لكل غادر لواء يعرف به يوم القيامة۔ [متفق عليه]

ہر دھوکہ باز کا ایک پرچم ہوگا، جس کے ذریعے قیامت کے دن اس کی پہچان ہوگی۔

خیانت کرنے والا منافق ہے:

امانت ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، اور خیانت نفاق کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، فرمان نبوی ﷺ ہے:

آية المنافق ثلاث: إذا حدَّث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتُمِنَ خان« [متفق عليه].

''منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدے کو توڑے، اور جب اسے امین بنایا جاتے تو خیانت کرے''

یقیناً منافق ہی امانت میں خیانت کرتا ہے اور مسلمان خیانت سے بچتا ہے۔

اسلام اور جمہوریت

سعید عبداللہ

غلط فہمی دور کر لینی چاہیے کہ اس نظام کے اندر مذہب کی کوئی بات کسی وقت قانون ضرور بن سکتی ہے لیکن مذہب کبھی خود قانون نہیں بن سکتا۔!

جمہوریت کیا ہے؟

کسی بھی اصطلاح کے بارے میں اس کی صحیح اور جان دار تعریف وہی سمجھی جاتی ہے جو اس کے وضع کرنے والے بیان کرتے ہیں۔کیونکہ جمہوریت کا خالق مغرب ہے تو اسی کی زبان میں جمہوریت کے معنٰی اور تعریف جانتے ہیں۔

ڈیموکریسی کے معنٰی۔۔یہ اصطلاح یا لفظ اصلاً یونانی ہے جو دو لفظوں کے ملاپ (..Demos اور Cratos) سے وجود میں آتا ہے۔Demos۔۔۔عوام اور Cratos۔۔۔حاکمیت۔یعنی عوام کی حاکمیت۔

جمہوریت کی تعریف۔لوگوں کی آزاد اور مساوی نمائندگی۔ایسا نظامِ حکومت جو اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی کے اصولوں پر قائم ہو۔جمہوریت کے اصطلاحی معنٰی اور تعریف سے واضح ہو چکا کے اس کے موجدوں کی نزدیک جمہوریت عوام کی حاکمیت کا نام ہے یعنی زمین کا نظام چلانے کے لیے عوام کو خدا کی بندگی کی کوئی ضرورت نہ ہو بلکہ عوام اپنی آپ ہی خدا ہو اور اسے آسمان کی وحی اور ہدایات سے نہ ہی واسطہ اور نہ ہی رہنمائی کی ضرورت۔اس نظام کے غیر اسلامی ہونے میں اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ عوام کو اپنے آپ ہی کو خدا کہا اور منوایا جائے۔اس سارے غیر اسلامی نظام کو انسانی کمزور دلیلوں کا لباس پہنا کر کمال ہوشیاری اور مکاری کے ساتھ دنیا پر نافذ کر دیا جائے جس کو اتنا مقدس ٹھہرا دیا جائے اور اس کی عصمت کے اتنے فضائل گھڑ لیے جائیں کہ عام تو عام رہے بلکہ خواص تک اس کی عظمت کے قائل ہی نہیں بلکہ پر جوش داعی بن بیٹھے اور اس کے حق میں دلائل اکٹھے کرنے والوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔اس جمہوریت کو آج کے دور کا ماڈرن ترین شرک بنا دیا گیا جس کی نہوست سے زمین کا کوئی چپہ محفوظ نہیں اور اسکی عبادت کرنے والوں کی تعداد دنیا میں اربوں میں ہے۔اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اس کی حقیقت پر سوال اٹھانا آج کے دور سب سے بڑا پاپ اور گناہ بنا دیا گیا جمہوریت کی بنیاد یونان سے پڑی اور اس کو باقاعدہ پوجاریوں کی کھیپ فرانس کے ملحد انقلاب سے میسر آئی اور اس کو گلوبل دین ہونے کا درجہ وطنی ریاستوں کے قیام کے بعد ملا اور اسکے الہ عوام قرار پائی۔اس کے تمام تر اجزائے ترکیبی بنیادی اصلاحات اس کی تعریف اس کے اختیارت وحدود سب کے سب الحادی مغرب سے منقول ہیں اور مغرب ہی اس کا خالق اس پیروکار اور اس کا محافظ بھی ہے اس کے فضائل اور مسائل بیان کرنے کا بیڑہ غرب ہی نے لے رکھا ہے۔مشرق ومغرب میں اس کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کو کچلنے کا سہرا بھی مغرب ہی جاتا ہے۔تو اس بات کے کہنے میں ہرگز کوئی ہچکچاہٹ اور تردد نہیں ہونا چاہیے کہ جمہوریت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے ساتھ کیا جانے والا شرک ہے۔اب ہم اگلی سطور میں اسلامی جمہوریت کے فلسفے کے خالقوں کے دعوؤں کی حقیقت پر چند معروضات پیش کریں گے

تاکہ ہمارا جمہوریت کا مقدمہ مضبوط ہوجائے۔جو لوگ اس کو اسلام کے ہاں سے دلائل دینے کی مضموم کوششوں میں مصروف ہیں اُن کے لیے فقہ کا ایک پہلو عرض کیا جاتا ہے کہ کفار سے مشابہت چاہے چھوٹ سی رسم ہی میں کیوں نہ ہو اس کے اپنانے پر سخت وعیدیں مذکور ہیں۔لباس اور سالگرہ پر فقہ اسلامی کا عتاب ایک چھوٹی سی مثال ہے تو پھر سارے کا سارا نظام ہی مغرب سے لیا گیا ہو جس کی تفصیل اوپر ذکر ہو چکی جس پر اختلاف کی گنجائش بہت کم ہے۔تو پھر اس عظیم پاپ اور شرک پر اسلامی فقہ کے احکام کا خود ہی تصور کر لیا جانا چاہیے۔رہی بات اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کی تو صاف ظاہر ہے مغرب کو خوش کرنے کا اس سے بڑھ کر کوئی اقدام نہیں ہوسکتا تھا۔

حاکمیت صرف اللہ کی!

اسلام کا عقیدہ اور نظریہ ہے اور اسی کی طرف دعوت عام وخاص ہے کہ حاکمیت کا حق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہے اور انسانوں کے لیے کیا حلال (قانونی) ہے کیا حرام (غیر قانونی) ہے اس بات کے فیصلے کا اختیار صرف اللہ ہی کی ذات کا ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس حق واختیار میں نہ کوئی نبی شریک ہے نہ فرشتہ، نہ کوئی صحابی نہ کوئی عوام اور نہ پارلیمنٹ۔پس مومن تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کی بندگی کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت میں شریک ٹھہرا دیئے گئے ہر روپے ہر نظام ہر فکر اور ہر عقیدے سے اعلانِ برأت کریں۔اس کی کامل بندگی اختیار کریں اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بھاگ ڈور اسی ذاتِ حق کے سپرد کریں اور اسی سے فیصلے کروائیں یہی توحید کی اصل اور بندگی کی معراج ہے۔جب کہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے حق پر جمہوریت ڈاکہ ڈالتی ہے اور کس طرح عوام کے چنے گئے نمائندوں کا حلال وحرام کا اختیار دیتی ہے۔اہلِ بصیرت غور فرمائیں کہ آخر شرک اور کس بلا اور مصیبت کا نام ہے؟

آخر یہ "اسلام" کیونکر ہے؟ اور شرک کیوں نہیں!

جمہوریت میں اصل اقتدار اور طاقت کا سرچشمہ (الٰہ) عوام ہوتی ہے۔اور چنے گئے نمائندے عوام کی حاکمیت کو نافذ کرنے اور ان کی خواہشات اور طبیعت کے مطابق حلال وحرام کے فیصلے کرتے ہیں۔یہاں سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام میں اصل اقتدار اور طاقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور زمین پر امت کا خلیفہ اللہ تعالیٰ کے قانون پیروی کرتے ہوئے محض انتظام کرتا ہے حلال اور حرام کے کسی اختیار اور فیصلے میں شریک نہیں ہوتا۔جس طرح مسلمان زمین پر اللہ تعالیٰ کی چاہ اور مرضی کو پانے کے لیے اُسی کو اپنا خالق، مالک، داتا دستگیر اور حاکم تسلیم کرتا ہے اور اُسی سے امید اور خوف رکھتا ہے اُسی سے دعا وفریاد کرتا اور اُس کے قانون کی پیروی کرتا ہے۔اسی طرح اس دینِ جمہوریت میں وہی برتاؤ اور رویہ اقتدار کی خواہش رکھنے والے نمائندے عوام کے بارے میں ظاہر کرتے ہیں الیکشن سے پہلے وہ عوام کے خادم وغلام اور نوکر تک بنتے ہیں اور عوام کی مرضی یعنی ووٹ کو پانے کے لیے جھوٹ رشوت، قتل وغارت، دھونس دھاندلی کا سہارا لیتے ہیں اور یہ ساری مشقت اس لیے برداشت کی جاتی ہے کہ کسی طرح سے جمہوریت کے الٰہ عوام کی مرضی کو حاصل کیا جائے اور حلال اور حرام کے اختیار میں شرکت حاصل کی جائے۔الیکشن جیت جانے کے بعد حلال اور حرام کا اختیار ان کے ہاتھ میں آجاتا ہے مگر پھر بھی اصل طاقت عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو ان کو لانے اور ہٹانے کا فیصلہ کرسکتی ہے اس لیے اس الٰہ یعنی عوام کو خوش کرنے کے لیے بہت سے منصوبے بنا لیے جاتے ہیں۔اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ عوام اور اس کے چنے گئے نمائندے ہی حلال اور حرام کے فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں پھر اس نظام کو غیر اسلامی کہنے اور اس سے برأت کرنے میں کونسی رکاوٹ مانع ہے۔زمین والوں کے لیے قانون وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس کے رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا اس قانون کو شریعت کے نام سے جانا، پہچانا اور مانا جاتا ہے اور اسی نام سے اس پر اعتقاد رکھنا اور دعوت دینا فرض ہے۔جبکہ آج ہم دیکھتے ہیں جمہوریت میں اکثریت کی بنیاد پر کسی بھی انسانی آرا کو قانون کا درجہ دے دیا جاتا ہے چاہے وہ کتنا ہی خلافِ شرع کیوں نہ ہو۔پر جواب یہی ہوتا ہے کہ یہ عوام کی چوائس، مرضی ہے کہ وہ اپنے لیے کیسا قانون پسند کرتے ہیں۔یہاں پر کھلے انداز میں اللہ کے مقابلے میں عوام کی حاکمیت کا اعلان کردیا جاتا ہے۔آخر بتایا جائے اس سے بڑھ کر اس نظام کے غیر اسلامی ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے!

مذہب اور قانون کا خدا!

نظام جمہوریت انسانوں کو دو خانوں میں بانٹ کر رکھ دیتا ہے یہ نظام عبادات اور رسوم ورواج کی حد تک تو انسان کو مذہب کی طرف رجوع کا اختیار دیتا ہے بلکہ بعض اوقات تو باقاعدہ حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔اور کبھی کبھی نماز باجماعت ادا کرنے کی

اجازت دے دینا اور سال بعد عید کی مبارک باد پیش کر دینا جمہوریت کے پیشوں کی جانب سے مسلسل عمل چلا آ رہا ہے۔لیکن جب ایک انسان معاشرتی اور اجتماعی معاملات میں مذہب کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کرتا ہے تو رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ سیاست میں اس کو جمہوریت ،معیشت میں سرمایہ داری،سماجیات میں سیکولرازم کا پابند ہونا اس کے لیے لازم کر دیا جاتا ہے گویا وہ مذہب کے معاملات میں آسمانی خدا کی طرف رجوع کا حق رکھتا ہے لیکن اجتماعی امور میں اس کو جمہوریت کے خدا سے رہنمائی لینا ہوتی ہے

جو اس بات کا کھلا اعلان ہے کہ مذہب کا خدا کوئی اور ہے اور اجتماعی معاملات کا خدا کوئی اور ہے۔جبکہ ایک مسلمان کو اپنے انفرادی او راجتماعی معاملات میں ایک ہی خدا کی اطاعت لازمی ہے اور اس اطاعت سے بغاوت شرک و کفر ہے ۔ اسلامی جمہوریت کے فلسفے کے داعیوں کی جانب سے ان جمہوری اسمبلیوں کا حصہ بننے کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ ان اداروں میں جا کر اسلام کو قانون بنانے کی جہد وجد کرتے ہیں۔جبکہ جان لینا چاہیے اور غلط فہمی دور کر لینی چاہیے کہ اس نظام کے اندر مذہب کی کوئی بات کسی وقت قانون ضرور بن سکتی ہے لیکن مذہب کبھی خود قانون نہیں بن سکتا ۔اگر مذہب کی کوئی بات قانون بنتی بھی ہے تو اس کو قانون کے خدا کی منظوری درکار ہوتی ہے۔جبکہ شریعت اسلام کسی کے دستخطوں کی محتاج نہیں اور یہ اپنے آپ ہی ہر دور میں قانون کا درجہ رکھتی ہے جس کو سند قبولیت اللہ رب العالمین کی جانب سے مل چکی ہے ۔اب کسی اور کے دستخطوں کا اس کو محتاج سمجھنا ایمان کے حق میں نہایت خطر کی بات ہے ،جس پر غور وفکر کیا جانا ضروری تر ہو چکا ہے۔

جمہوریت اکابرین ملت اسلامیہ کی نظر میں!

شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ کی تشریح میں جمہوریت کا رد فرمایا ہے۔(فطری حکومت ؛میں قاری طیب قاسمیؒ لکھتے ہیں)یہ (جمہوریت)رب تعالیٰ کی صفت ملکیت میں بھی شرک ہے اور صفت علم میں بھی شرک ہے۔(مولانا ادریس کاندھلوی ؛ عقائد اسلام ،ص ۲۳۰ میں لکھتے ہیں)جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ مزدور اور عوام کی حکومت ہے ایسی حکومت بلاشبہ حکومت کافرہ ہے۔حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے مینگورہ سوات میں ایک وکیل کے سوال کے جواب میں فرمایا؛ ہم جمہوریت پر لعنت بھیجتے ہیں۔اس میں تو دو مردوں کی آپس میں شادی کی اجازت ہے۔جیسا کہ برطانیہ نے اس کا بل کثرت رائے سے پاس کیا ہے۔(اسلامی خلافت ؛ص ۱۷۷) مولانا مفتی محمودؒ کے اس آفاقی شان والے جملے کو بھلا کون بُھلا سکتا ہے کہ ''میں اسلام کے علاوہ ہر ازم کو کفر سمجھتا ہوں'' تو کیا جمہوریت اسلام کے مقابل ایک نیا دین ایک نیا مذہب اور اسلام سے ایک علیحدہ ازم نہیں ہے۔

مولانا یوسف لدھیانویؒ ؛آپ کے مسائل اور ان کا حل ؛ج ۸ ص ۱۷۶ میں لکھتے ہیں)جمہوریت کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریے کی ضد ہے ۔(مولانا فضل محمد ؛اسلامی خلافت ؛ص ۱۱۷ میں لکھتے ہیں)اسلامی شرعی شوریٰ اور موجودہ جمہوریت کے درمیان اتنا فرق ہے جتنا آسمان اور زمین میں ،وہ مغربی آزاد قوم کی افراتفری کا نام ہے ۔جس کا شرعی شورائی نظام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔(مفتی ابولبابہ شاہ منصور ؛عالمی یہودی تنظیمیں ؛ص ۱۹۷ پر لکھتے ہیں)درحقیقت یہ نظام حکومت نہ کسی عقلی کسوٹی پر پورا اترتا ہے نہ عملاً مفید ثابت ہوا۔نہ فطری طور پر درست ہے اسے یہودی دماغوں نے گڑھا ہے۔ہم جب جمہوریت کی اسلام دشمنی کا پردہ چاک کرتے ہیں۔تو کچھ لوگ ہمیں معتوب نظروں سے دیکھتے ہیں ۔شاید ہم نے جمہوریت کو خوامخواہ اسلام دشمن ثابت کر رہے ہیں ۔ہم تو صرف جمہوریت کے کفر کو آشکارا کر رہے ہیں

کرنا کیا ہے؟

اس تمام تر بحث سے واضح ہو چکا ہے کہ نظامِ جمہوریت غیر اسلامی ہے اور جس کے ساتھ وابسطہ رہنا اللہ تعالیٰ کے غیر کو سجدہ کرنے سے بھی بڑھ کر جرم ہے ۔پس ضروری ہے کہ ہم اس سے اعلان برأت کریں اور اس کی تمام تر انواع واقسام کا انکار کریں اور نظامِ اسلامی کی اصطلاح خلافت کی بنیاد پر اپنی سیاست کو سمت دیں اور اس کی طرف اپنے معاملات لوٹائیں اور اس حوالے سے کسی مداہنت اور رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائیں اور اس راہ میں اللہ تعالیٰ آپ کے اقدامات میں برکت ڈالے۔آپ کی مساعی کو شرف قبولت بخشے۔پس آج داعی حضرات کھڑے ہوں اور نظام اسلامی کے حوالے سے لوگوں کے اندر شعور بیدار کریں ۔کیونکہ اب مشرق ومغرب میں اسلام کا دور شروع ہو چکا ہے ۔آیئے اس مبارک کا حصہ بن جائیں اور تاریخ کے اوراق میں اپنی جگہ بنائیں۔



نیند تو آئی مگر خواب کے تحفے نہ ملے!

مابعد غروب آفتاب دن بھر کی ہماری تھکن، سورج کی توانائی کو اپنے بدن پر جھیل لینے کے بعد راحت وسکون کا ایک ایسا ماحول بنا دیتی ہے کہ ایک عجیب کیفیت سے ہمارا سامنا ہوتا ہے اور یہ کیفیت ہے "نیند" کی،

عزیز بلگامی

اور وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو بنا دیا اٹھ نکلنے کے لئے: (الفرقان: ۴۷) اِنسانی نسل کے اوّلین جوڑے کو رب تعالٰی کی جانب سے جب کُرّۂ ارض کی سمت اِذنِ سفر ملا تو اِن کے زادِ راہ میں اللہ کی رحمتیں شامل ہو گئی تھیں۔ پُر خلوص دُعاؤں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جنّت سے رُخصتی کے وقت اِس فردوسی جوڑے کو ہدایت کی نعمت بھی عطا کر دی تھی۔ جنّت کی دلفریب فضاؤں سے مانوس اِس اوّلین اِنسانی جوڑے کے خیر مقدم کے لیے زمین کی دلنشین و پُر کیف فضائیں آنکھیں بچھائے کھڑی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت حوّا علیہا السلام کے ہمراہ نہ صرف ایک بخشش یافتہ اوّلین انسانی جوڑا بن کر زمین پر تشریف لائے بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو نبوّت کا اولین اور ایک برگزیدہ منصب دار بھی بنا یا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ کی خوشنودیوں سے مالا مال اِس انسانی جوڑے نے جب زمین پر قدم رکھا تو دیکھا کہ یہاں انسانی زندگی کی نشوونما اور اس کی بقا کا ہر سامان موجود ہے۔ انسانی ضروریات کے تمام تر خزانوں سے دامانِ ارضی کو مالا مال کر دیا گیا ہے۔ پہاڑوں کے بطن میں معدنیات اور Minerals کے خزانے محفوظ کر دیے گیے ہیں۔ زمین کے بطن میں پٹرول اور گیس کے سمندر کے سمندر اسٹور کر کے رکھے گیے ہیں۔ پہاڑوں کے نشیب وفراز پر عمارتی لکڑیوں کے جنگلات کے وسیع تر سلسلے پھیلا دیے گیے ہیں۔ فلک بوس پہاڑوں کی دشوار گزار گھاٹیوں میں حضرتِ انسان کی نقل و حرکت کو سہل ترین بنا دیا گیا ہے۔ کہساروں کے دامن میں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ہری بھری سپاٹ وادیاں بچھی ہیں، جہاں وہ اپنے سنگ ہائے میل نصب کر سکتا ہے، کہستانی نعمتوں سے متمتع ہو سکتا ہے۔ اِس دشوار گزار راستوں پر سفر کے لیے تیز رفتار گھوڑے اور بار برداری کے لیے خچر اور گدھے، ہاتھی اور اونٹ موجود ہیں۔ پینے کے پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے نہ صرف زمین پر دریاؤں کا ایک جال بچھا ہے بلکہ زیر زمین پانی کی نہریں بھی بہا دی گئی ہیں۔ پھر اسی زمین پر بے پناہ وسعت رکھنے والے سمندروں کے کھارے پانی میں نمک جیسی ایک سہل الحصول لازوال دولت بھی موجود ہے، جس کے بغیر غذاؤں میں حقیقی لذّت پیدا نہیں ہوتی۔ اُنہوں نے یہ بھی دیکھا کہ زمین پر سے انہیں ایک آسمان نظر آ رہا ہے، جہاں ستاروں کی ایک خوبصورت انجمن سجی ہوئی ہے۔ شب ہوتی ہے تو یہ ستارے اپنی محفل سجاتے ہیں، پھر خوبصورت سا چاند نمودار ہوتا ہے، صبح ہوتی ہے تو چمکدار سورج اپنی بنفشئی شعاعوں سے سارے عالم کو منور کر دیتا ہے۔ پھر یہاں بادل اُٹھتے ہیں، ہوائیں چلتی ہیں، بادلوں میں بجلی لپکتی ہے، دفعتاً، بوندا باندی شروع ہو جاتی ہے، پھر زمین پر جل تھل کر دینے والی

ایک زور کی بارش برستی ہے۔ صاف وشفاف پانی کے کل کل کرتے ہوئے دھارے بہہ نکلتے ہیں۔ ندیاں، جھیل، آبشار اور تالاب بھر جاتے ہیں۔ آکسیجن سے بھرپور صاف وشفاف فضائیں، دل پذیر سبز لباس میں ملبوس نباتات کے سلسلے، نت نئے رنگوں کے پھولوں سے معمور لہلہاتے ہوئے باغات، لذیذ پھلوں کے بوجھ سے جھکی جھکی ٹہنیاں اور نہ جانے کیا کیا۔ پھر زمین کی ہر شئے کو یہ حکم کہ جنت کے اِن نو واردین اور ان کی نسل کے لئے اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ مسخر ہو جاؤ، خدمت گزار بنو اور انہیں مسلسل فائدہ پہنچاتے رہو۔ ہاتھی سے کہا کہ انسان بظاہر کمزور ہے، اِس کی جسمانی ساخت اُس کی کمزوری پر دلالت کرتی ہے، مگر اُسے کمزور نہ سمجھنا، ہم نے اسے عقل اور علم سے مالا مال کر دیا ہے۔ اُس کے حوصلے بلند کر دیے ہیں، یہ کارہائے عظمت کی انجام دہی میں مصروف ہوگا، تم اپنی قوتوں کے ساتھ اس کے معاون بنے رہنا۔ گھوڑوں سے کہا کہ اسکی سواری کے کام آنا، گدھوں اور خچروں سے کہا کہ اس کے سامان کو اٹھا کر چلنا اور مویشیوں سے کہا کہ اسے دودھ، اون اور چمڑا فراہم کرنا۔ زمین کی تہہ میں موجود مختلف دھاتوں سے کہا گیا کہ حضرت انسان زمین پر تشریف لاتے ہیں، اِن کی خدمت کے لیے بانہیں پسارے رہنا کہ وہ تمہارے استعمال کی جس شکل کے بھی خواہشمند ہوں گے، اُسے بہم پہنچانا۔ پٹرول اور انرجی کے منبعوں سے کہا گیا کہ جب بھی انسان تمہارے تعاون کے سوال کے ساتھ تم تک پہنچے، تم اپنے خزانوں کے دروازے کھول دینا اور ان کی سواریوں کو تیز رفتار بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑنا۔

کس کس مخلوق کا شمار کیا جائے کہ کس طرح اُسے انسان کی خدمت پر معمور کیا گیا ہے۔ زمین کی ہر مخلوق انسانوں کو ہر طرح سے سپورٹ کئے جارہی ہے، دنیا میں اس کی بقا میں معاون و مددگار رہے اور قیامت تک اسے یہ خدمت انجام دئے جانا ہے اور مسلسل دیے جانا ہے۔ ہم اس مضمون میں انسانوں کی خدمت پر معمور ساری ہی نعمتوں کی تفصیل پیش کرنے سے قاصر ہی نہیں بلکہ یہ ہمارے بس کی بات ہی نہیں کہ ہم انسانوں کی خدمت میں مصروف کسی ایک شے ہی کی مکمل تفصیل پیش کر سکیں۔ لیکن شکرانِ نعمت کے طور پر ہم "نیند" کے کچھ پہلو پیش کر رہے ہیں، کچھ پہلو ہی پیش کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ "نیند" جیسی نعمت کا الفاظ میں احاطہ کسی کے بس میں نہیں۔ "نیند" کی ماہیت اور کیفیت پر زمانۂ دراز سے غور وفکر کا سلسلہ جاری ہے۔ عصری علوم کی روشنی میں اِس پر مزید تحقیقات جاری ہیں، جن کے نتیجے میں نہ جانے اور کتنے پہلو روشنی میں آئیں گے۔

یہ جو ہمارے سر پر چمکتا ہوا تابناک سورج ہے، جس کی فیض رسانی بذاتِ خود ایک الگ موضوع ہے، کا ذکر پہلے ہو جائے، کیونکہ سورج کے طلوع و غروب کے نتیجے میں عالمِ وجود میں آنے والے دن اور رات سے نیند کا بڑا گہرا رشتہ ہے۔ یہ بغیر کسی سستی اور کاہلی کے دنیائے انسانیت میں اجالا بکھیرنے میں مصروف ہے۔ اِس کی فیض رسانی کے ذکر کے لیے کسی دلیل یا لفاظی کی ضرورت بھی نہیں۔ یہ فرمانبردار خادم دن بھر روشنی اور توانائی کا منبع بنا رہتا ہے، اپنے وقتِ مقررہ پر طلوع ہوتا ہے، اپنے وقت پر غروب ہو جاتا ہے۔ یہ اگر صرف روشنی کا منبع ہوتا اور تپش سے خالی ہوتا تو سوچیے کہ کیا ہوا ہوتا۔ روئے زمین پر بیکٹیریا کا ایک طوفان برپا ہو جاتا جو ہماری ساری غذاؤں اور پھل، پھول اور پودوں کو نیست و نابود کر دیتا۔ انسانی زندگی اپنے آثار کھو دیتی۔ اُس کا پھیلایا ہوا اُجالا اور اُس کی اُبلتی ہوئی توانائی انسانوں کے لیے کتنی عظیم نعمت ہے کہ انسان اپنی معیشت اور اپنے لیے رزق کی فراہمی کے لیے اِسی اُجالے میں بھاگ دوڑ کرنے کے قابل بنتا ہے۔ دن کے اختتام پر جب یہ غروب ہونے لگتا ہے تو تاریکی کرۂ ارض کو اپنی آغوش میں چھپا لیتی ہے۔ یہ تاریکی خود بھی ایک نعمت بن کر انسانوں کی خدمت کے لیے حاضر ہو جاتی ہے۔ رات دھیرے دھیرے جب اپنے پر پھیلاتی جاتی ہے تو گویا کسی چادر کی طرح ہمارے لیے لباس بن جاتی ہے۔ سورج غروب نہ ہوتا تو شاید ہماری دن بھر کی تھکن ہمیں زندہ رہنے کے قابل نہ رکھتی۔ لیکن انسانوں کے اِن قدرتی خادموں میں اتنی جرأت کہاں کہ وہ "فردوسی مخلوق" کے لیے کسی قسم کے مسائل کھڑے کریں۔ مابعد غروب آفتاب دن بھر کی ہماری تھکن، سورج کی توانائی کو اپنے بدن پر جھیل لینے کے بعد راحت وسکون کا ایک ایسا ماحول بنا دیتی ہے کہ ایک عجیب کیفیت سے ہمارا سامنا ہوتا ہے اور یہ کیفیت ہے "نیند" کی، جو ایک عظیم نعمت بن کر ہمارے سراپا پر چھا جاتی ہے۔ دلفریب لذّت کی حامل نیند کی یہی کیفیت ہے جو ہمیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتی ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتی ہے۔ رات کی تاریکی میں دل و دماغ سے نکلنے والے سگنل سے جسمانی وحیاتیاتی اعضاء کو یہ پیغام پہنچاتے ہیں کہ نیند کے ذریعے تم اپنی کھوئی ہوئی انرجی دوبارہ حاصل کرلو اور جوں ہی تمہاری

بیٹری ریچارج ہو جائے تو تم دیکھو گے کہ صبح نمودار ہوتے ہوتے تم اپنی توانائی کو دوبارہ مجتمع کر چکے ہو۔اٹھترویں سورہ کی نویں، دسویں اور گیارہویں آیتوں میں فرمایا:" (انسانو....!) تمہاری نیند کو ہم نے تمہارے لئے سکون کا ذریعہ بنایا، (تاکہ تم اپنی کھوئی ہوئی انرجی کو ریسٹور کر سکو) اور (اِسی طرح) ہم نے رات کو بھی (مانندِ) لباس بنایا (تاکہ یہ تمہیں ڈھانپ لے)، نیز ہم نے دن کو (حصولِ) معاش کے لیے (دوڑ دھوپ کرنے کا ذریعہ) بنایا۔" پھر ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے جسم کی ساخت کو کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ہمارے بدن کو "نیند" کی اور اِس "نیند" کے ذریعہ توانائی کے ایک متناسب ڈوز کی مسلسل ضرورت رہتی ہے اور یہ سورج اور چاند، دن اور رات، سردی اور گرمی کے قدرتی سائیکل سے ہمارے جسم کے لیے آرام اور توانائی سے جوڑ دیا گیا ہے جس کی شکل "نیند" ہے۔ ہمارا جسم لازماً ایک مستقل جسمانی تپش لیے ہوئے ہوتا ہے۔ایک صحت مند جسم کی تپش میں صفر اعشاریہ پانچ ڈگری سینٹی گریڈ کا تغیر آتا رہتا ہے۔اِس تغیر کا کم از کم پانچ گھنٹوں اور زیادہ سے زیادہ اٹھارہ گھنٹوں میں رونما ہونا لازمی ہے۔ نیند کے احساس سے جسمانی تپش کا بڑا گہرا تعلق ہے۔جسم کی حرارت جب کم ہو جاتی ہے تو نیند کا احساس جاگتا ہے اور جب یہی تپش بڑھ جاتی ہے تو ہم نیند سے جاگ جاتے ہیں۔اپنی آخری کتاب میں رب تعالیٰ نے رات اور دن، سونے اور جاگنے کے اس عمل کی وجہ بھی بیان فرمائی اور انسان کی عقلِ سلیم کو بھی اپیل کی کہ اس پروسس پر غور کرو کہ کس طرح تمہارا رب تم پر اپنی نعمتیں نچھاور کر رہا ہے۔اِن ہی نعمتوں کے

نیند تو آئی مگر خواب کے تحفے نہ ملے
کھل گئی آنکھ تو پھر نیند کے لمحے نہ ملے

درمیان، اِن ہی کے تعاون سے تم ایک خاص مخلوق بن کر محوِ سفر ہو اور تمہیں احساس ہو کہ نہ ہو، تم ایک مخصوص رفتار سے اپنی عمر اس دنیا میں پوری کر رہے ہو۔بچپن سے جوانی میں داخل ہوتے ہوئے تم بوڑھے ہوتے جا رہے ہو۔عمر کے اِس سفر میں رات اور دن، سورج اور چاند، نیند اور بیداری کے مراحل آ رہے ہیں اور رفتہ رفتہ تم اپنی عمر کی آخری منزل پر پہنچ کر رہو گے، جہاں ٹھہر کر تم سوچنے لگو گے کہ یہ سب کچھ کیا تھا، یہ سفر کیسا تھا۔تب شاید تمہیں یہ احساس ہو جائے کہ یہ سارا سرکل دراصل تمہارے امتحان کے لیے چلا اور اب تمہیں موت کے دروازے سے گزر کر اپنے رب کے حضور حاضر ہونا ہے۔اتنی ساری نعمتیں جو تم پر لٹائی گئیں، ان سے متمتع ہو کر دنیا میں گذارے گئے تمہارے شب و روز کا تمہیں اپنے مالک کو حساب دینا ہے۔ ہماری وارننگ کی خاطر اس پیکیج Package کا تذکرہ ہمارے رب تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب کی چھٹی سورہ کی ساٹھویں آیت میں پہلے ہی کر دیا تھا:"اور وہی تو ہے جو بہ ساعتِ لیل، تم پر (بہ شکلِ نیند گویا) وفات (کی کیفیت) طاری کر دیتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ بہ ساعتِ دن، تم کن (مشقت طلب) مصروفیات میں سرگرمِ عمل رہے۔ (اسی طرح اس عارضی موت کی کیفیت کو ختم کرتے ہوئے) پھر وہ (دوبارہ) تمہیں جلا اٹھاتا ہے، تاکہ (نیند اور بیداری کے اِس Cycle کے ذریعہ تمہاری عمر کا) مقررہ وقت پورا کرے، پھر تم (اپنی عمر کے اختتام پر) اُسی کی (بارگاہ کی) طرف لوٹ جاؤ گے (جہاں) پھر وہ تمہیں مطلع کرے گا کہ (دنیاوی زندگی میں) تمہاری مصروفیات کیا رہیں۔" ہم جانتے ہیں ایک انسان اپنی زندگی کا ایک تہائی حصہ حالت نیند میں گذارتا ہے۔ اس کا بقیہ دوتہائی وقت حالت بیداری میں گذرتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ سوال ضرور کھڑا ہو گا کہ عمل کے لیے اس محدود اور طے شدہ وقت میں اس نے اپنی ذات کو کن مقاصد کے حصول کے لیے مختص کر رکھا تھا! دنیا میں امن و شانتی پیش نظر تھی یا اسے جائے فتنہ بنا نا مقصد رہا! لوگوں کی زندگیوں میں اندھیرے پھیلائے یا روشنی! اپنے وجود کو اُجالوں کا مرکز بنایا تھا یا اپنے غرور و تکبر، غصہ اور جذبۂ انتقام کا محور! کہیں اِس نے زمین کی صورت تو نہیں بگاڑ دی تھی! پھر اُسے سچ کے سوا کچھ کہنے کی ہمت نہ ہو سکے گی کیوں کہ اُس کا ریکارڈ تیار رہے گا اور اسی ریکارڈ کی بنیاد پر حساب کے دن اُسے اپنے مالک کے سامنے ایک ایک لمحے میں سرزد شدہ دنیا وی کارناموں یا کرتوتوں کا حساب دینا ہوگا۔ چنانچہ نیند بھی جو ہمارے رب کی ایک بیش بہا نعمت ہے، اس کا حساب بھی دینا ہوگا۔واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر مرحلے میں " نیند " بڑا اہم رول ادا کرتی ہے۔جیسے، انسان کی زندگی میں دھوپ اور چھاؤں، رنج اور غم، خوشی اور راحت کے لمحات

آتے جاتے رہتے ہیں۔ دنیا میں انسان کی کوئی ایک حالت ہمیشہ نہیں رہتی۔ چاہے غم ہوں کہ لمحاتِ راحت۔ بعض اوقات کچھ ایسے حادثات ہوجاتے ہیں، جوانسان کے لئے نا قابل برداشت دکھ اور غم کا باعث بنتے ہیں۔ ان حالات میں انسان اپنے آپ کو بالکل بے سہارا محسوس کرتا ہے۔ مایوسی کے سمندر میں غرق رہتا ہے۔ اس کا غم اس درجے بڑھ جاتا ہے کہ اسے اپنے وجود سے، اپنی ہی زندگی سے شدید بیزاری ہونے لگتی ہے۔ غم اور غصے، افسوس اور دکھ میں وہ اتنا غرق ہوتا ہے کہ خود اُس کا جی چاہتا ہے کہ اپنا ہی نقصان کرڈالے۔ اپنی ہی زندگی اسے بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے۔ اسکی قوتِ برداشت جواب دینے لگتی ہے۔ لیکن اسی حالت میں اُسے اگر نیند آجائے، تو اس کا قلب و ذہن ایک ایسا آرام پاتا ہے کہ، جاگنے کے بعد اپنے رنج والم کا اُس کا احساس کسی درجہ کم ہونے لگتا ہے۔ پھر اسی نیند اور بیداری کے سائیکل کی وجہ سے چند دنوں میں وہ دکھ اسکے لئے قابل برداشت ہوتا چلا جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کی زندگی سے محو ہو جاتا ہے۔ سائنس بھی نیند کو ایک نعمت کا درجہ دیتی ہے، جو نہ صرف انسان کے جسم اور بدن کی راحت کا سامان ہے، بلکہ اسکے پژمردہ جذبات اور احساسات کے لئے بھی قوت بن جاتی ہے۔ انسان کا ذہن اور اسکے حواس خمسہ، دورانِ بیداری پوری قوت اور Efficiency کے ساتھ کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان حواس خمسہ کو بھی ایک خاص مقدار میں آرام کی ضرورت ہوتی ہے، جو نیند کے ذریعے ہی پوری ہوتی ہے۔ کم خوابی یا شب بیداری کا انسانی جسم اور دماغ پر بڑا شدید اثر ہوتا ہے۔ ناکافی نیند کی وجہ سے بیداری کی حالت میں اعضاء کو دوگنی محنت کرنی ہوتی ہے۔ نیز انسان کی کارکردگی میں فرق آجاتا ہے۔ اسکے دل اور دماغ کا باہمی تعلق ایک طرح سے ڈسٹرب ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس لئے اہم ترین معاملات میں وہ صحیح فیصلہ پر نہیں پہنچ پاتا اور اس طرح اپنا ہی نقصان کر لیتا ہے۔ جو لوگ کم خوابی کے شکار ہیں اُن ہی سے نیند کی قدر و قیمت معلوم کی جاسکتی ہے۔ جن لوگوں کو آسانی سے نیند آجاتی ہے، وہ اس عظیم نعمت کی قدر کیا جانیں! یہ ایک المیہ ہے کہ جب تک انسان کے پاس کوئی نعمت موجود رہتی ہے تب تک وہ اُس کی قدر و قیمت سے غافل رہتا ہے۔ مگر جوں ہی یہ نعمت اُس سے چھن جاتی ہے تب اسے اسکی قدر و قیمت معلوم ہونے لگتی ہے۔ اسی لئے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پانچ نہایت ہی اہم باتوں کی قدر کرنے کی ان الفاظ میں تعلیم دی ہے: "حضرت عمرو بن میمون اودی ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت فرمائی: پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو (یا قدر کرو)۔ (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، (۲) صحت وتندرستی کو بیماری سے پہلے، (۳) مالداری کو محتاجی سے پہلے، (۴) فراغت و فرصت کو مشغولیت سے پہلے اور (۵) زندگی کو موت سے پہلے۔"

(مشکوٰۃ شریف۔ کِتَابُ الرِّقَاق۔ س فصل دوم)۔

نیند اور بیداری کی یہ عارضی گردش ختم ہوتے ہی، پھر موت کی ایک طویل نیند کے بعد جو بیداری ہونے والی ہے، وہاں سے ایک ایسی زندگی کی ابتداء ہوگی جس میں ہر فرد کو، دنیا میں گذری اپنی پہلی زندگی کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا، جس کے بارے میں نعمتِ نیند کی تخلیق کرنے والے نے اپنی آخری کتاب کی دوسری سورۃ کی دوسواکاسی ویں آیت میں فرمایا: "اور خوف کھاؤ (جوابدہی کے) اُس دن سے جس دن بارگاہِ الٰہی میں تمہاری واپسی ہوگی، پھر ہر فردِ متنفس کو اُس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا اور کسی کو بھی ظلم کا ہدف نہیں بنایا جائے گا۔" آنے والی اسی طویل زندگی کی فکر کرتے ہوئے ایک باشعور انسان کو چاہیے کہ، آج دنیا میں اپنے وجود سے انسانیت کو راحت پہنچائے۔ لوگوں کی زندگی سے مایوسی، ناامیدی اور جہالت کی تاریکیوں کو ہٹا کر، کتاب ہدایت کے نور کی ان تک ترسیل کرے۔ یہ زمین، جیسا کہ اوپر کہا گیا انسانوں کے لئے ایک گلستان کی مانند ہے۔ اس میں خرابی پیدا کرنا اور اس کی ویرانی کے درپے ہونا، اسے ڈسٹرب کرنا کیوں کر مناسب ہوسکتا ہے۔ بلکہ مناسب تو یہی کہ اسے سنوارنے اور نکھارنے کی فکر کی جائے۔ اپنی اُخروی زندگی کو کامیاب بنانے کے ضابطوں کو کتاب اللہ سے معلوم کیا جائے اور اپنے رب کی رضا کی جستجو کی جائے، تا کہ سدابہار آسودگیوں کا اپنے آپ کو حقدار بنایا جاسکے۔ ہمارے مالک نے اپنی کتاب کی اٹھائیسویں سورۃ القصص کی تراسیویں آیت میں ان ضابطوں کا تذکرہ فرمایا ہے: "بیشک آخرت کا وہ سدابہار گھر، ہم نے اُن لوگوں کے لئے مختص کررکھا ہے، جو زمین میں فساد پھیلانا نہیں چاہتے۔ بیشک بہتر انجام تو اللہ سے ڈرڈر کر زندگی گذارنے والوں ہی کا ہونا ہے۔"

بقیہ صفحہ نمبر (44)

سیکولرزم کی تباہ کاریاں اور اس سے بچنے کی تدابیر

مولانا حذیفہ وستانوی

سیکولرزم، اصل میں لاطینی زبان کا لفظ ہے، جس کا عربی میں "علمانیۃ" اور اردو میں "لادینیت" ترجمہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے ایسے حیرت انگیز اور معجزانہ علمِ وحی سے مالا مال کیا تھا کہ جس کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے آپ کی بعثت مبارکہ سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام فتنوں سے امت کو باخبر کردیا تھا، تاکہ امت ضلالت اور گمراہی سے مکمل اجتناب کرے، الحاد اور بے دینی جو سیکولرزم کے نام سے اس وقت دنیا میں فتنہ برپا کیے ہوئے ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ روایت منطبق ہوتی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "دعاۃ علی ابواب جہنم من اجابہم الیہا قذفوہ فیہا" یعنی ایک زمانہ میں امت پر ایسا وقت آئے گا جس میں شرپسندوں کے ٹولے جوجہنم کے دروازے پر کھڑے ہوں گے، انسانوں کو اور خاص کر مسلمانوں کو اس کی طرف بلائیں گے، جو ان کی بات تسلیم کرلے گا، وہ اسے اس میں یعنی جہنم میں جھونک دیں گے، قربان جایئے نبی کریم ﷺ کی تعبیر بیان پر، کتنے مختصر الفاظ میں کتنی عظیم خبردی، لفظ "دعاۃ" کے ذریعہ بے دین ملحد، زندیق، سیکولر دین دشمنوں کی کثرت کی طرف اشارہ کیا، جس کا دنیا مدتوں سے مشاہدہ کررہی ہے، غالب گمان یہ ہے کہ اس حدیث سے اسی سیکولرزم کے داعیوں کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا ہم سردست سیکولرزم کے بارے میں مختصر معلومات پیش کرنے جارہے ہیں، امید ہے کہ دل کے آنکھوں سے اس کا مطالعہ کرکے سیکولرزم کے فتنے سے اپنے آپ کو اور پورے معاشرہ کو بچانے کی فکر کریں گے، اللہم وفقنا لما تحب وترضی واجعل آخرتنا خیرا من الاولیٰ۔

سیکولرزم کیا ہے؟ سیکولرزم در اصل ایک ماسونی یہودی تحریک ہے، جس کا مقصد حقوقِ انسانی، مساوات، آزادی، تحقیق و ریسرچ، قانون دولی (International Law) اور تعلیم کے نام پر، دین کو زندگی کے تمام شعبہ جات حیات سے نکال دینا، اور مادیت کا گرویدہ بنا کر، روحانیت سے بے زار کردینا ہے، یہ کہہ کر کہ دین کی پیروی انسانی آزادی کے منافی ہے، لہٰذا سیاست اور دین، معیشت اور دین و معاشرت اور دین یہ سب الگ الگ ہیں۔ دین، طبیعت اور فطرت کے خلاف ہے، لہٰذا کسی بھی دین کی پیروی درست نہیں، ان کی صورت حال ایسی ہی ہے، جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے: و اذا قیل لهم تعالوا الی ما انزل اللہ و الی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدودا۔ (سورۃ النساء: پ ۵/۶۱) یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے آجاؤ اس چیز کے طرف جو اللہ نے نازل کی ہے (یعنی دین اسلام) اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی (تعلیمات) کی طرف (یعنی

شریعت پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی طرف تو (اے مسلمان) تو دیکھے گا، منافقوں کو کہ وہ لوگوں کو آپ (یعنی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل کرنے سے روک رہے ہوں گے۔ یہاں قرآن کریم کا مضارع کا صیغہ "یصدون" لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک خاص نہیں بلکہ استمرار کے ساتھ ہر زمانہ میں ایسا ہوگا، اور پھر آگے "صدودا" کہہ کر اشارہ کیا کہ وہ اس پر مصر بھی ہوں گے۔

سیکولرزم کا آغاز کہاں اور کیسے!

سیکولرزم دراصل یورپ کی پیداوار ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب اسلام نے آکر علم کے دروازے کھولے اور اسلام کا اثر ورسوخ مشرق سے نکل کر مغرب میں غرناطہ اور بوسنیا تک پہنچا، تو اہل مغرب کی آنکھیں کھلیں، اس لیے کہ سولہویں صدی عیسوی تک یورپ میں کنیسا اور چرچ کو مکمل اثر ورسوخ حاصل تھا، جب سترھویں صدی میں اہلِ یورپ نے مسلمانوں کی علمی آزادی اور ترقی کو دیکھا اور عیسائی پادریوں اور بادشاہوں کی تنگ نظری اور تعصب کو دیکھا اور اس کے نتیجہ میں علمی تحقیقات پر پابندی اور کوئی رائے پیش کرنے والے کو ظلم کا شکار ہوتے دیکھا تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ عیسائیت ہی دراصل ہماری ترقی کے لیے روڑا اور رکاوٹ ہے، لہٰذا سترھویں صدی میں اہلِ مغرب نے مذہب سے بے زاری کا اعلان کردیا، اور یہ پسِ پردہ دنیا کی خفیہ ترین تخریبی تحریک ماسونیت کی کارستانیوں اور سازشوں کا نتیجہ تھا، اس طرح جب ان سیکولرزم کے حاملین کو کامیابی ملی، تو انہوں نے اعلان کیا کہ "اب عقل کو آزادی ہوگی اور مذہب کے قید وبند سے انسان آزاد ہوگا اور طبیعت اور نیچریت کا بول بالا ہوگا"۔ جب یورپ میں سیکولرزم کو غلبہ حاصل ہوا، تو اب وہ دنیا پر راج اور سلطنت کے خواب دیکھنے لگے، اس طرح انہوں نے مشرق کا رُخ کیا اور ۱۷۸۹ء میں مصر پر حملہ کیا اور انیسویں صدی کے آنے تک پورے مشرق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، کچھ ناعاقبت اندیش، مادہ پرست مسلمانوں کو بھی اپنے چنگل میں لے لیا۔

مشرق ومغرب میں سیکولرزم کے علمبردار!

سیکولرزم کو پھیلانے میں جن بد باطن اور کج فکر، لوگوں نے اہم رول اور کردار ادا کیا، ان میں سے، مغرب میں ڈارون جس نے تحقیق کے نام پر "نظریۂ ارتقاء" کی بنیاد ڈالی، جو دنیا کا سب سے بڑا فریب شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح فرائیڈ نے "نظریۂ جنسیت" پیش کیا، اسی طرح ڈارکایم نے "نظریۂ عقلیت" پیش کیا، جان پول سارتر نے "نظریۂ وجودیت" کی تحدید کی، پھر آدم اسمتھ نے "کیپٹل ازم" سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ڈالی، کارل مارکس نے "کمیونزم" کی بنیاد ڈالی، جو پچھلے تمام مادی افکار کا نچوڑ اور خلاصہ تھا اور مشرق میں کمال اتاترک، طٰہٰ حسین، جمال عبدالناصر، انور سادات، علی پاشا، سرسید، چراغ علی، عنایت اللہ مشرقی، غلام پرویز، غلام قادیانی وغیرہ نے انہیں افکار کو مشرق میں عام کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور اب اسی کو گلوبلائیزیشن یعنی "عالمگیریت" کا نام دیدیا گیا ہے، دیکھنا اب کیا ہوتا ہے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

سیکولرزم کا ہدف!

سیکولرزم کا اصل ہدف امتِ مسلمہ کو موجودہ دور میں اسلام سے بے زار کرکے، مادیت سے وابستہ کرنا ہے، تاکہ مغرب کی بالادستی، برابر اس پر باقی رہے، اس لیے کہ اسلامی فکر، اسلامی روحانیت اور اسلام سے وابستگی یہی مسلمانوں کی کامیابی اور بالادستی کی شاہِ کلید ہے، لہٰذا مسلمانوں کو اپنی پوری توجہ، ایمان اور اس کے تقاضوں پر مرکوز کرنا چاہیے، نہ کہ مادیت کے مکروفریب کے جال میں پھنسنا۔ اللہم انا نسئلک العفو والعافیۃ فی الدین والدنیا والآخرۃ۔

سیکولرفکر رکھنے والوں کی اقسام وانواع!

سیکولرزم سے متأثر افراد کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: (۱) پہلی قسم: ان کافر اور بے دین لوگوں کی، جو صراحۃً اور اعلانیۃً اسلام کا ہی نہیں، کسی دین کا انکار کرے، اگر وہ مسلمان ہو اور ایسی بات کرے تو مرتد شمار ہوگا۔ (۲) دوسری قسم: ان منافقوں کی، جو نام کے مسلمان ہو یعنی بظاہر اسلام کو تسلیم کرتے ہوں، مگر دل میں کفر کو چھپائے ہوئے ہوں، ان کا پورا میلان اندر سے اسلام مخالف، بلکہ اسلام دشمن نظریات کی جانب ہوں، اس وقت مسلم معاشرہ میں یہ لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں، چند نشانیوں سے ان کو پہچانا جاسکتا ہے، وہ نشانیاں یہ ہیں: (الف) وہ اپنے آپ کو مصلحِ ملت، مفکرِ اسلام یا مجدد ٹھہراتے ہوں، حالاں کہ اسلام اور اسلام کی بنیادوں کو ڈھانے کی کوشش کررہے ہیں، ان کی حالت اسلامی تعلیمات اور مطالبات کے بالکل برعکس ہو، یہی لوگ اسلام اور مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

(ب) وہ یہ آواز لگاتے ہوں کہ اسلامی تعلیمات، عصرِ حاضر میں جاری کرنے کے قابل نہیں، اس

لیے کہ (العیاذ باللہ) وہ فرسودہ ہیں، وہ قابلِ اعتبار نہیں، لہٰذا عالمی قانون کو مسلمان تسلیم کرلے، اس لیے کہ (العیاذ باللہ) وہی مسلمانوں کے لیے شریعتِ اسلامیہ کے مقابل زیادہ نفع بخش اور مفید ہے۔ (ج) وہ اباحیت پسندی کے شکار ہوں، حرام کو حلال کرنے اور حلال کو حرام کرنے کے درپے ہوں، اور اس کو اپنے گناہ کی سنگینی کا احساس بھی نہ ہو۔ (د) دین پر عمل کرنے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں اور دینی شعائر مثلاً، ڈاڑھی، ٹوپی، کرتہ وغیرہ کا مزاق اڑاتے ہوں اور دیندار کو کم عقل تصور کرتے ہوں۔

(ھ) اس کے فکری رجحان کی کوئی سمت متعین نہ ہو، جدھر کی ہوا ادھر کا رُخ، اس کی طبیعت ثانیہ ہو، مثلاً جب تک روس کو غلبہ تھا کمیونزم کے حامی، اور اب امریکہ کو غلبہ حاصل ہے، تو سرمایہ داریت اور جمہوریت کے شیدائی ہوں۔

(۳) تیسری قسم: ان مسلمانوں کی ہے، جو سیکولرزم اور جمہوریت، حقوقِ انسانی، آزادیٔ نسواں، آزادیٔ رائے، دین اور سیاست میں تفریق جیسے اصطلاحات سے متأثر ہوں، جن کو آج کل مغربیت زدہ مسلمان، کہا جاتا ہے، یہ اسلام کو مانتے ضرور ہیں، اس کی حقیقت کے بھی قائل ہیں، مگر دینی علم سے دوری یا کمی کی وجہ ان خوشنما اصطلاحات سے متأثر ہو گئے ہوں۔

سیکولرزم کو عام کرنے کے اسالیب!

اسلام دشمن طاقتوں نے خاص طور پر صہیونی، صلیبی اشتراک، جس کو ماسونیت بھی کہا جاسکتا ہے، سیکولرزم کو مسلمانوں میں عام کرنے کے مختلف طریقے اپنائے۔ (۱) الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اسلام، یہ دور انحطاط کی کھوج ہے، اور اس کی تعلیمات، روایات قدیمہ کی حامل ہے، (العیاذ باللہ) مادی ترقی کے دور میں قابل عمل نہیں رہا، حالاں کہ ایسا ہرگز نہیں، الحمدللہ! کسی بھی زمانہ میں انسان کی حقیقی ترقی، جس کو روحانی ترقی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، اس کا حامل اگر ہے تو یہی اسلام، اس لیے کہ انسان کی حقیقی ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کو راضی کرلے، اور دنیا میں اس کا تقرب حاصل کرلے، قرآن کا اعلان ہے "ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقکم" (سورۃ الحجرات: پ۲۶، آیت ۱۳) تم میں سب سے زیادہ مکرم و معزز و برگزیدہ اللہ رب العزت کے نزدیک وہ ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو یعنی گناہوں سے اسی طرح لوگوں کو اور مخلوق کو تکلیف دینے سے مکمل اجتناب کرتا ہو، یہ ہے اصل ترقی کا زینہ۔

(۲) العیاذ باللہ یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ اسلام خونی مذہب ہے، یعنی اس کی تاریخ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے، حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اگر تاریخ کا غائرانہ مطالعہ کریں، تو معلوم ہوگا کہ پچھلے سو سال میں جمہوریت اور سیکولرزم کے نام پر دنیا میں جتنا ظلم ہوا اور قتل و غارت گیری ہوئی، اسلام میں، اس کی ایک بھی نظیر نہیں ملتی، ایک سروے کے مطابق "اوریا مقبول جان" مشہور صحافی تحریر فرماتے ہیں کہ پچھلے سو سال میں تقریباً سترہ کروڑ انسانوں کو جمہوریت کے بھینٹ چڑھا دیا گیا، اس سے سولہویں صدی میں ریڈ اینڈ یز کو سوملین کی تعداد میں نئی دنیا کی دریافت کے نام بے قصور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، غرناطہ میں تیس لاکھ مسلمانوں کو صلیبیت کے نام پر قربان کر دیا گیا، فلسطین میں لاکھوں مسلمانوں اور یہودیوں کو عیسائیوں نے بلاجرم قتل کر دیا، جب کہ اسلامی تاریخ میں مسلمان امراء کی فراخ دلی، رعایا سے ہمدردی اور انصاف کوئی پوشیدہ چیز نہیں، نیک مسلمان سلطانوں اور امراء نے تو ظلم کیا ہی نہیں، بل کہ فاسق و فاجروں بھی نے کیا بھی ہوگا، تو وہ اس ظلم کے سویں حصہ کیا، یا ہزارویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہے، ہماری تاریخ خونی اور ظالمانہ نہیں، اگر ظالمانہ تاریخ ہے، تو تاریخ، انہی سیکولرزم کی نعرہ دینے والوں کی ہے، مگر اپنا عیب چھپانے کے لیے وہی اپنا قصور مسلمانوں پر تھوپ دیا "فانتظروا انا معکم منتظرون"۔ (سورۂ یونس: پ ۱۱، آیت ۳) (۳) قرآن و حدیث کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ وہ ایک خاص جماعت اور نسل کے لیے نازل کیا گیا تھا، یا یہ کہنا کہ قرآن و حدیث کی، العیاذ باللہ کوئی حقیقت نہیں، وہ تو انسان ہی کا مرتب کردہ ہے، جب کہ حقائق اس کا صراحت کے ساتھ انکار کرتے ہیں، قرآن کا اعلان ہے "کتاب اَنزلنہ الیک۔ (سورۃ ابراہیم: آیت ۱) و ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ" وغیرہ۔ (سورۃ النجم: پ۲۷، آیت ۳، ۲)

(۴) ایمان بالغیب کا انکار کرنا اور اس کا مزاق اڑانا اور یہ کہنا کہ نیچریت اور طبیعت اس کو تسلیم نہیں کرتی، اور اس کے بارے میں یہ کہنا کہ ملائکہ، جن، جنت، دوزخ، حساب، برزخ، قدر، معراج، معجزات، انبیاء وغیرہ، یہ سب محض خرافات ہیں، اس کی کوئی حقیقت نہیں، حالاں کہ قرآن نے پہلے پارے کے پہلے ہی رکوع میں متقی مسلمانوں کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا "یومنون بالغیب" (سورۃ البقرۃ: پ۱، آیت ۳) وہ غیب پر ایمان

رکھتے ہیں۔اور اس طرح نقل کو عقل پر ترجیح کے قائل ہیں۔(۵) مسلمان معاشرہ میں موجود اخلاقی قدروں کو ملیامیٹ کرنا اور اباحیت پسندی کو فروغ دینا، تعلیمی نصاب میں ایسا مواد سمو دینا، جس سے ابناء قوم طفولیت ہی سے ایمان باللہ، ایمان بالقیامت سے محروم رہے ،اور جنسیت، مادیت، فیشن پرستی کا دلدادہ ہو جائے، ماحول ایسا بنا دیا جائے کہ عشق بازی، حیاسوزی، نوجوانوں کی عادت بن جائے، ایسی ایسی فلمیں اور سیریلیں بنائی جائیں، جس میں مار پیٹ، لڑائی، جھگڑا، فتنہ، فساد، عشق ومحبت، بداخلاقی و بدکرداری کو فروغ حاصل ہو، حالاں کہ بداخلاقی، بدکرداری، عشق بازی، فتنہ فساد سے، تعلیمات اسلامیہ مکمل اجتناب کا درس دیتی ہیں۔(۶) توحید کے مقابلہ میں روشن خیالی، مزعوم اعتدال پسندی کو جس کو دوسرے لفظوں میں Modernism کہا جاسکتا ہے، ہر طبقہ میں عام کرنے کی مکمل کوشش کی جارہی ہے، جو سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی اور معارض ہے۔ (۷)اسلام کے خلاف جاری فکری یلغار کو ثقافت اور تبادلہ ثقافت کا نام دیا جارہا ہے، تاکہ فکری یلغار کا احساس زندہ نہ ہو، اور مسلمان مِن وعَن مغربی ثقافت کو دلجمعی کے ساتھ قبول کرلے۔ (۸) بلادلیل و برہان اسلام کو "دہشت گرد" اور مسلمانوں کو متعصب اور ظالم، قاتل و سفاک اور بے رحم ثابت کیا جارہا ہے، تاکہ لوگ اسلام اور مسلمان سے متنفر رہے، اور اسلام کو فروغ حاصل نہ ہو۔(۹) شراب، جوا، سود اور محرمات کو خوشنما اور نئے نئے ناموں سے مسلمانوں میں متعارف اور عام کیا جارہا ہے، تاکہ حلال وحرام کی تمیز باقی نہ رہے، اور مسلمان بے دھڑک اس کی خرید وفروخت اور استعمال میں مشغول ہو جائے۔(۱۰) اسلام اور اس کی تعلیمات مثلاً حدود، تعزیرات وغیرہ اور اسلامی شخصیات، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، مجاہدین وغیرہ سے استہزاء اور ان کی زندگیوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرکے مشکوک کرنا وغیرہ، اللہ ان ملعون حرکات کرنے والوں کو غارت کرے اور مسلمانوں کے دلوں کو اسلام، اسلامی شخصیات اور اس کی تعلیمات کی محبت سے لبریز کردے۔آمین

(۱۱) مغربی باطل نظریات کو خوب عام کرنا، اور ہر ممکن یہ کوشش کرنا کہ ان باطل نظریات کے حاملین کو علم وتحقیق کے باب میں بلندترین مقام دینا، اور یہ کہنا کہ یہی لوگ حقیقت میں دنیائے علم وتحقیق کے درخشندہ ستارے ہیں اور انہوں نے دنیا پر بڑا احسان کیا، حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، کیوں کہ علم وتحقیق کے نام پر انہوں نے دنیا کو گمراہ کیا، مثلاً ڈارون، فرائیڈ، مارگولیٹھ، کارل مارکس، آدم اسمیٹھ، دورکایم، جان پول، وغیرہ یہ ائمہ ضلال تو ہوسکتے ہیں، مگر محسن نہیں ہوسکتے، لعنة عليهم و الملائكة والناس اجمعين!

سیکولرزم کے بارے میں شرعی فیصلہ!

علمائے اسلام اور فقہاء عظام نے سیکولرزم کو ایک مستقل مذہب قرار دیا ہے، جس کو "دہریت" کہا جاسکتا ہے، لہٰذا وہ کفر صریح ہے، اور مسلمانوں کو اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہے، مسلمانوں میں سیکولرزم فکر کے ان حاملین کو منافقین کہا جائے گا، جو اسلامی تعلیمات کا انکار کرے، سیکولرزم کو حق بجانب تصور کرے، اسلامی محرمات کو حلال گردانے۔

سیکولرزم کے دنیا پر اثرات!

سیکولرزم نے سب سے زیادہ نقصان عالم اسلام کو پہنچایا، اس لیے کہ سیکولر فکر کے حاملین نے، جس میں کمال اتاترک جیسے لوگ شامل ہیں، خلافتِ اسلامیہ کے سقوط کے سبب بنے، اور عظیم دولت عثمانیہ اسلامیہ کو تقسیم در تقسیم سے دوچار کیا، یہاں تک کہ وہ پچاس حصوں میں تقسیم ہوگئی، اسرائیل کا ناپاک وجود اسلامی ریاستوں کے بیچ عمل میں آیا۔ دنیا میں فحاشی، بدکاری، اور ہر برائی کو پھیلانے کے راہیں ہموار ہوگئیں، اور پوری دنیا کو جمہوریت اور عالمگیریت کے نام پر جہنم کدہ بنادیا گیا۔

اسلام کے غلبہ کی راہیں کیسے ہموار ہوسکتی ہیں؟

ہم مسلمان، ہیں ہمارا دین، دین برحق ہے ہمارا رب اللہ ہے، جو قادر مطلق مالک الملک الہ واحد اور ذوالجود والکرم ہے اور ہمارے رسول خاتم النبیین سید المرسلین ہیں، اور ہماری تعلیمات ہر زمانہ میں انصاف امن وسلامتی کی ضامن ہیں، اسی کو حق ہے کہ وہ دنیا پر قیادت وسیاست کرے، مگر ہم نے اس کی قدر نہ کی ذلت ومسکنت کے شکار ہوئے، اب ہمیں کرامت اور غلبہ کیسے دوبارہ ہوسکتا ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، تو آیئے ہم اسی پر روشنی ڈالتے ہیں۔(۱) سب سے پہلے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے ایمان میں رسوخ پیدا کریں کیوں کہ قرآن کا اعلان ہے "وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين"۔(آل عمران: ۱۳۹) تم ہی سر بلند رہو گے اگر مومن رہو۔مومن کس کو کہتے ہیں؟ دل وجان سے اسلام کو تسلیم کرکے، اس پر عمل کرنے اور اس پر سب کچھ قربان کردینے کا نام ہے ایمان اور مومن ہونا۔(۲) کتاب اللہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہر حالت میں ہم مضبوطی کے ساتھ تھام لیں، بقیہ (34)

مقاصدِ خلافت

مولانا محمد زاہد اقبال حفظہ اللہ

''اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کی نصرت کی اور اپنا وعدہ پورا کر دکھایا حتیٰ کہ اُنہیں عرب وعجم پر مسلط کیا اور ان کے زمانے میں مسلمانوں کو کفار کی زمین،گھروں اور ان کے مال و دولت کا وارث بنایا''

ہر ریاست خواہ دینی ہو یا لادین، کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔انہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاست کی تشکیل وتعمیر ہوتی ہے۔یکے بعد دیگرے آنے والی ہر حکومت پر ان مقاصد کے پیشِ نظر ریاستی امور کو سر انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔اگر کوئی حکومت ان مقاصد سے انحراف کرے تو وہ حکمرانی کی اہل نہیں ہے۔ بلکہ مقتدر طبقہ کو اقتدار سے علیحدہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔تاکہ مقاصد ریاست میں کوئی خلل واقع نہ ہوجائے۔اسلامی نظام جو کے دین و دنیا کا جامع ہے۔اس نے بھی خلافت کے کچھ مقاصد متعین کیے ہیں۔جن سے انحراف کسی صورت میں جائز نہیں۔اسلام میں نظام حکومت متعین مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اقتدار وحکومت بذات خود مقصود نہیں ہے۔لیکن چونکہ یہ مقاصد غلبہ و اقتدار کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے ہیں۔لہذا اسلام نے ان کے حصول کے لیے غلبہ و اقتدار کو لازم قرار دیا ہے۔مقاصد خلافت کیا ہیں ؟حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں۔''خلافت بمعنی جانشینی است وآں در عرف شرع راجع است بتصدی اقامت امور کہ پیغمبر ﷺ برائے اقامتِ آں مبعوث بود۔''یعنی خلافت کے معنی جانشینی ہے۔اورعرف شریعت میں ان امور کے قائم کرنے کی کوشش کرنا جن کے قائم کرنے کے لیے پیغمبر ﷺ مبعوث ہوئے۔مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام جو احکامات الٰہیہ لائے اوران کو عملاً نافذ کیا،خواہ اُن کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ان کو عملاً نافذ کرنا ،یہی نظام خلافت کا اصل مقصد ہے۔قرآن وسنت میں خلافت کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔لہذا اب ہم تفصیلاً قرآن وسنت اور اقوالِ فقہاء سے اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(ا) اقامتِ دین۔ اللہ تعالیٰ نے خلافت ارضی (تمکین فی الارض) کو اقامت دین کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے ۔(اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوْاالصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُاالزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔(الحج۔۴۱) ترجمہ''یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو ملک میں بااختیار کردیں۔تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔اور بھلے کام کرنے کا حکم دیں۔اور برے کام کرنے سے لوگوں کو روکیں اور ہر کام کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔''امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔''فیصیر معنی الآیۃ ان اللّٰہ تعالیٰ وصف المھاجرین بانہ ان مکنھم من الارض والمطاھم السلطنۃ فانھم اتوابالامور الاربعۃو ھی اقامۃالصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃوالامر بالمعروف والنھی عن المنکر '' آیت کا معنی یہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو

انبیاء علیھم السلام کی حکمرانی کا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر، احکام الٰہی کا نفاذ اور عدل کا قیام ہے۔خاتم الانبیاء ﷺ کی خلافت کے مقاصد بھی یہی ہیں۔

اس بات سے موصوف کیا ہے کہ اگر انہیں زمین میں طاقت وقوت اور اقتدار دیا جاتا ہے۔تو چار امور یعنی نماز، زکوۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کریں گے۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔''اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین کی نصرت کی اور اپنا وعدہ پورا کر دکھایا حتیٰ کہ اُنہیں عرب پر عجم پر مسلط کیا اور ان کے زمانے میں مسلمانوں کو کفار کی زمین، گھروں اور ان کے مال و دولت کا وارث بنایا۔حضرت شاہ صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔(اِنْ مَکَّنّٰھُمْ) میں (بطور شرط وجزا کے) حقیقت خلافت کے ایک جز (یعنی اقامت دین) کو دوسرے جز (یعنی تمکین) پر معلق کیا ہے۔کیونکہ خلافت شرعی اس تمکین فی الارض کا نام ہے۔جو اقامت دین کے ساتھ ہو مطلب یہ ہوا۔کہ ان لوگوں کو اگر زمین میں تمکین ملے گی۔تو ضرور وہ تمکین اقامت دین کے ساتھ ہوگی۔اور خلافت راشدہ کے یہی معنی ہیں۔'' امام الحرمین خلیفہ کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فالقول الکلی ان الغرض استبقاء قواعد الاسلام طوعاًاو کرھاًو المقصد الدین۔

''کلی بات یہ ہے کہ غرض طوعاً یا کرھاً قواعدِ اسلام کی بقاء ہے۔اور مقصد دین کا قیام ہے۔

(۲) قوانین شریعت کا نفاذ۔اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان اور پہلے نبی کو خلیفہ بنا کر بھیجا۔تاکہ وہ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور ان کی طرف سے انسانی فلاح و بہبود پر مبنی قوانین کا اجرء کرے۔ارشاد ربانی ہے۔(اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً)(البقرۃ،۳۰)

ترجمہ۔''یقیناً میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔'' امام ابن جوزیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ترجمہ''انسان کی خلافت کے بارے میں دو قول ہیں۔پہلا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے قائم کرنے ،توحید کے دلائل قائم کرنے اور مخلوق میں حکومت کرنے (احکام نافذ کرنے) میں اس کا خلیفہ ہے۔یہ ابنِ مسعودؓ اور مجاہدؒ کا قول ہے۔'' امام بغویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ترجمہ''صحیح قول یہ ہے۔کہ آدم (انسان) اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔زمین میں اس کے احکام قائم کرنے اور اس کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے''۔علامہ آلوسیؒ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ترجمہ''اس کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے۔کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خلیفہ بنایا۔زمین کی آبادی ،لوگوں کی سیاسی امور کی انجام دہی ،ان کے نفوس کی تکمیل اور ان کے اندر اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لیے''۔

مندرجہ بالا تفاسیر سے یہ واضح ہوگیا۔کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو خلافتِ ارضی سے اس لیے نوازا تاکہ وہ احکام وقوانین الٰہی کا نفاذ اور انسانی نفوس کی اصلاح کا کام سر انجام دیں۔امام عبدالقاہر البغدادی لکھتے ہیں۔''مسلمانوں کے لیے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے۔جو احکامات کو نافذ کرے ،حدود کو قائم کرے ،افواج کو جہاد کے لیے تیار کرے۔ان کی شادی کرائے اور مسلمانوں میں مالِ غنیمت تقسیم کرے۔امام ابو یوسفؒ نے حضرت عمرؓ کا خطبہ نقل کیا ہے۔کہ ایک دفعہ آپ نے خطبے میں ارشاد فرمایا۔جس سے مقاصد خلافت کی وضاحت ہوتی ہے۔ترجمہ''حاکم جن امور میں رعیت کی خبر گیری کرے ان سب میں خبر گیری کے زیادہ حقدار امور وہ ہیں۔جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیے ہیں۔یعنی ان کے دینی فرائض کے متعلق جن کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے ان کو کی ہے۔اور ہم پر فرض ہے۔کہ ہم تم کو ان چیزوں کا حکم دیں۔جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے۔یعنی اس کی عبادت کا۔اور تم کو اُس چیز سے منع کریں۔جس سے اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا ہے۔یعنی اُس کی نافرمانی۔اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم قریب و بعید سب لوگوں پر یکساں جاری کریں۔

(۳) غلبہ اسلام۔رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور دین اسلام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی دینی و دنیوی کامرانی کے لیے ایک کامل و مکمل ضابطہ حیات ہے۔دین اسلام کے آنے سے تمام آسمانی مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں۔اسی طرح انسانی فکر پر مبنی افکار ونظریات اور نظام ہائے ریاست کی گنجائش باقی نہیں رہی۔اب تو صرف اسلامی نظامِ خلافت ہی قابل عمل ہے۔اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا آخری راستہ ہے۔لہٰذا دیگر تمام ادیان، ومذاہب اور نظاموں کو ختم کر کے اسلامی نظام کا نفاذ ناگزیر ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے

تمام ادیان پر نظریاتی وسیاسی غلبے کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔(هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ)(الصف؛۹) ترجمہ۔’’وہ اللہ ایسا ہے۔ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا ہے تاکہ وہ اس دنیا کو تمام ادیان باطلہ پر غالب رکھے۔اگرچہ مشرک کتنا ہی برا مانیں‘‘۔

امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔’’ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے مقصود یہ تھا۔کہ تمام دینوں پر غالب کر دے۔پس اس آیت میں اگر سمجھنے کی کوئی چیز ہے۔تو یہ ہے کہ غالب کر دینے سے کیا مراد ہے۔؟ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ایک یہ کے دلیل میں غالب کیا جائے۔یعنی دین حق کی حقانیت پر اور دوسرے دینوں کے بطلان پر ایسی دلیل قائم کی جائے۔جس کا رد نہ ہو سکے۔دوسرے یہ کہ تیغ وسنان کے ذریعے سے غالب کیا جائے۔یعنی دینِ حق کی شوکت وسطوت کے سامنے تمام مذاہب کو سرنگوں کر دیا جائے۔ہم کہتے ہیں کہ دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے۔‘‘ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں۔ترجمہ۔’’نبی ﷺ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ اس امر(اسلام) کو ضرور پورا فر مائے گا۔یہاں تک کہ یہ(دین اسلام) ہر گھر میں داخل ہوجائے گا۔یہاں تک کے خواہ وہ گھر مٹی کا بنا ہوا ہو۔یا بالوں کا (یعنی شہر اور دیہات کے سب گھروں میں) صاحب عزت کی عزت کے ساتھ (کہ وہ بخوشی قبول کر کے اپنی عزت باقی رکھے) یا کسی ذلیل ہونے والے کی ذلت کے ساتھ (کہ وہ مغلوب اسلام ہو کر ذلت کی زندگی بسر کرے) احادیث کے الفاظ مختلف ہیں۔مفہوم مشترک سب کا ایک ہے۔دینِ حق وہی ہے۔’’جو ممکن یعنی طاقتور ہوا اور وہی ہے جو’’پورا‘‘ ہوا اور وہی ہے جو مشرق سے مغرب تک مٹی اور بالوں کے بنے ہوئے گھروں میں داخل ہوا۔‘‘ امت محمدیہ ﷺ سے پہلی امتوں کو بھی خلافت سے نوازا گیا اسی طرح اس آخری امت کو بھی خلافت ارضی عطا کی گئی۔(وَ عَدَاللّٰهُ الَّذِیْنَ آ مَنُوْ وَ عَمِلُوْاالصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِخَوْفِهِمْ اَمْناً یَعْبُدُوْنَنِیْ لاَ یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔) ترجمہ۔’’تم میں سے سب جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں اس طرح حکمران بنائے گا۔جس طرح ان لوگوں کو حکمران بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے۔اور جس دین کو خدا نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے۔اس کو ان کے لیے مستحکم کر دے گا۔اور اس وقت دشمن کا جو خوف ان کو لاحق ہے ان کے اس خوف کو مبدل بہ امن کر دے گا۔‘‘حضرت شاہ صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔یعنی’’ **لیمکنن لهم دینهم الذی ارتضیٰ لهم**‘‘اور (**یعبدوننی لا یشرکون بی شیا**) میں خلیفہ بنانے کی علت غایئہ کا بیان ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔(**ذلک مثلهم فی التورة و مثلهم فی الانجیل کررع اخرج شطاه**) گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔کہ (ان موعودین کے) خلیفہ بنانے سے مقصد یہ ہے۔کہ دین پسندیدہ تمکین پائے۔اور کلمہ الٰہی کی بلندی ظاہر ہو جائے۔اور دین حق کا غلبہ تمام دینوں پر ثابت ہوجائے۔

(۴) اُمت کی سیاست۔اُمت کی سیاست یعنی ان کے دینی اور دنیاوی امور کا نظم ونسق بھی مقاصد خلافت میں شامل ہے جیسے سنت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیا کرتے تھے۔جب ایک نبی انتقال کرتے تو دوسرے ان کی جگہ لے لیتے۔اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ایک صحابی نے عرض کیا۔یا رسول اللہ ﷺ آپ کے بعد کون ہوگا۔فرمایا میرے بعد خلفاء ہوں گے کثیر تعداد میں۔عرض کیا آپ ان کے بارے میں ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟۔جو پہلے خلیفہ ہوجائے اس کی بیعت کو پورا کرنا۔پھر اس کے بعد جو پہلے خلیفہ ہو۔جو ان کا حق (اطاعت) ہے انہیں ادا کرنا۔اس لیے کے اللہ تعالیٰ ان سے تمہارے حق کے بارے میں خود پوچھے گا‘‘ سیاست انبیاء کی وضاحت ہو چکی ہے کہ انبیاء کی حکمرانی کا مقصد امر بالمعروف ونہی عن المنکر،احکام الٰہی کا نفاذ اور عدل کا قیام ہے۔خاتم الانبیاء ﷺ کی خلافت کے مقاصد بھی یہی ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن حزم انصاریؓ گورنر یمن کے نام مکتوب گرامی میں ریاست کے متعلق اہم امور اور حاکم کی تمام اہم ذمہ داریوں کو بیان کر کے مقاصدِ خلافت کو واضح کر دیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے

عوام کو بروقت عدل وانصاف فراہم کرنا خلافت کا بنیادی مقصد ہے۔تا کہ وہ امن وامان کے ساتھ اور فتنہ فساد سے محفوظ ہو کر پُرسکون زندگی گزار سکیں

یہ تحریر عمرو بن حزم انصاریؓ کو دی جاتی ہے۔جوان کو یمن بھیجتے ہوئے لکھی گئی۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔(یٰآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔)

"اے ایمان والو!اپنے عہدو پیمان کو پورا کرو!''میں ان کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں۔اس لیے کہ (فَاِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْ وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ)۔"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے۔جو اس سے ڈرتے ہیں اور نیکی اختیار کرتے ہیں۔'' میں نے عمرو بن حزمؓ کو ہدایت کی ہے۔کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے حق کو وصول کریں۔

لوگوں کے ساتھ نیکی سے پیش آئیں۔اوران کو نیک کاموں کا حکم دیں۔قرآن مجید کی تعلیم،دین کے احکام سمجھائیں۔قرآن شریف کو صرف وہ شخص ہاتھ لگائے۔جو پاک ہو۔لوگوں کو برائیوں سے روکا جائے۔اور ان کے حقوق وفرائض سے آگاہ کیا جائے،نیکی کا حکم دینے میں لوگوں سے نرمی کی جائے،مگر جو ظلم وزیادتی کا مرتکب ہو اُس پر سختی کرنے میں تامل نہ کیا جائے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتا۔اس نے ظلم سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔خدا ظالموں پر لعنت بھیجتا ہے۔لوگوں کو جنت میں لے جانے والے اعمال اور طریقے بتلائے جائیں۔اور ان کاموں سے ان کو متنبہ کیا جائے۔جو انسان کو دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔سب لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔تا کہ وہ دین کے ارکان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔حج کے ارکان بھی تفصیل سے بتلائے جائیں۔اور فرض وسنت کو واضح طور پر بیان کیا جائے۔حج اور عمرے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیے ہیں ان سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔لوگوں کو ایسا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے روکا جائے جس میں بدن ڈھکا ہونہ ہو۔اور شرمناک مقامات کے کھل جانے کا اندیشہ ہو۔وضو کے احکام پوری تشریح کے ساتھ بتائے جائیں۔مقررہ اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔اور ہدایت کی جاتی ہے۔کہ رکوع کو پوری طرح ادا کیا جائے۔اور نماز میں دل میں رقت ہونی چاہیے۔فجر کی نماز علی الصبح پڑھی جائے۔جمعہ کی نماز کے لیے حکم دیا جاتا ہے۔کہ جمعہ کی اذان ہو جائے تو فوراً تیزی کے ساتھ نماز کے لیے چل دینا چاہیے۔اور جمعہ کو جانے سے پہلے غسل کر لینا چاہیے۔مالِ غنیمت میں سے اللہ تعالیٰ کا خُمس (پانچواں حصہ) ادا کیا جائے۔ہر مسلمان سے زمین کی پیداوار پر بقدر عشر (دسواں حصہ)لگان وصول کیا جائے۔یہ مقدار عشر اس زمین پر ہے۔جو بارش یا چشمے سے سیراب ہوتی ہو۔جو ڈول سے سیراب کی جائے۔اس پر نصف عشر لیا جائے۔مویشیوں میں دس اُونٹوں پر دو بکریاں لی جائیں۔اور بیس اونٹوں پر چار بکریاں،چالیس گایوں پر ایک گائے اور تیس گایوں پر ایک بچھڑا،چالیس بکریاں پر ایک بکری۔یہ مقدار اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں پر زکوٰۃ کے لیے فرض کی گئی ہے۔جو اس سے زیادہ دے گا۔وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔جنگ خدائے واحد کے لیے کی جائے۔اور جو خدا کے بجائے محض قبیلے اور خاندان کے نام پر لوگوں کو جنگ کی دعوت دے،ایسے فساد برپا کرنے والے کو ختم کر دینا چاہیے۔جنگ کے لیے دعوت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔جو یہود یا عیسائی اپنی خوشی اور خلوص دل سے مسلمان ہو جائے۔اور اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرے وہ مسلمان ہے۔اس کے حقوق وفرائض وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔اور جو شخص اپنے یہودی یا عیسائی مذہب پر قائم رہے اسے ہرگز مذہب بدلنے کے لیے کسی طرح مجبور نہ کیا جائے۔البتہ ان کے ہر بالغ شخص پر ایک دینا رجزیہ مقرر کیا جائے۔جو سالانہ جنس یا نقد کی صورت میں وصول کیا جائے۔اس قیمت کا کپڑا بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔جو اس رقم کے دینے سے انکار کرے اسے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں کا دشمن سمجھا جائے۔

محمد رسول اللہ (ﷺ)

مندرجہ بالا مکتوب گرامی میں آپ ﷺ نے تمام اہم امور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ،قرآنی تعلیمات کی اشاعت ،عدل وانصاف ،عبادات و ارکان اسلام کا قیام ، نظامِ زکوٰۃ اور خارجی جہاد وغیرہ کو بیان فرما دیا ہے۔جس سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ انہی امور کا قیام اسلامی خلافت کا مقصد ہے۔

(۵) اُمت کی اجتماعیت کا قیام۔حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔جس میں خلیفہ بنانے کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔''**قد استخلف اللّٰہ علیکم خلیفہ لیجمع**

بہ الفتکم ویقیم بہ کلمتکم"۔ ''اللہ تعالیٰ نے تم پر خلیفہ بنایا ہے۔تا کہ اس کے ذریعے تمہارا اتحاد رہے۔اور تمہارا کلمہ (مرکزیت) قائم رہے۔

(۶) نظامِ عبادات کا قیام۔انسان کی تخلیق کا اہم مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا اور اس کی عبادت کرنا ہے۔اس لیے عبادات کے با قاعدہ نظام کی تشکیل خلافت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیھم السلام کو آئمہ ھدیٰ بنایا ہے۔تا کہ وہ اس کے احکامات کے مطابق عبادات پر عمل درآمد کرائیں۔

(وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ) (الانبیاء،۷۳)

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ترجمہ ''یعنی ہم نے انہیں سردار (حکمران) بنایا ہے۔کہ اچھے کاموں اور فرماں برداری والے اعمال میں ان کی پیروی کی جاتی ہے۔بِاَمْرِنَا کا معنی ہے۔کہ جو وحی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے احکامات ہم نے نازل کیے، گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔کہ وہ ہماری کتاب کے ساتھ راہنمائی کرتے ہیں۔

(۷) نظامِ احتساب کا قیام۔نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔''مَنْ اَمر بالمعروف او نھی عن المنکر فھو خلیفة اللّٰہ فی ارضہ و خلیفة رسولہ و خلیفة کتابہ"۔''جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے وہ زمین میں اللہ تعالیٰ،اس کے رسول ﷺ اور اس کے کتاب کا خلیفہ ہے۔''

(۸) نظامِ جہاد کا قیام۔حضرت علیؓ کا فرمان ہے۔ "الامام انماجعل لیقیم للنّاس الصّلٰوة و یاخذ صدقاتھم ویقیم حدودھم یمضی احکامھم ویجاھد عدوھم وھذہ کلھا عقود ولا یخاطب بھا من لم یبلغ او من لا یعقل"۔ کہ امام (خلیفہ) اس لیے بنایا جاتا ہے۔تا کہ وہ نظام الصلوۃ کو قائم کرے،صدقات وصول کرے،حدود قائم کرے، احکام کا نفاذ کرے،دشمنوں (کفار) سے جہاد کرے۔یہ تمام امور عقود (معاملات) ہیں۔اور ان کا مخاطب نابالغ اور غیر عاقل نہیں ہے۔

(۹) عدالتی نظام کا قیام۔عوام کو بر وقت عدل وانصاف فراہم کرنا خلافت کا بنیادی مقصد ہے۔تا کہ وہ امن وامان کے ساتھ اور فتنہ فساد سے محفوظ ہو کر پُرسکون زندگی گزار سکیں۔اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو عدل وانصاف کے قیام کے لیے خلافت ارضی سے نوازا تھا۔ارشاد ربانی ہے۔(يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ) (ص،۲۶)۔امام رازیؒ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔''یعنی ہم نے آپ کو لوگوں کا بادشاہ اور ان میں حکم نافذ کرنے والا بنایا۔اس معنی کے لحاظ سے اسے خلیفہ کا نام دیا گیا۔اس سے خلف اللہ فی الارض (زمین میں سے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ) ماخوذ ہے۔حاصل یہ ہے۔کہ کسی آدمی کا خلیفہ،رعیت میں حکم نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔'' امام ابن جوزیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ترجمہ ''(اے داؤد علیہ اسلام! ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا) یعنی تو ہمارے حکم سے،ہماری طرف سے بندوں کے امور (اجتماعی معاملات) کی تدبیر کرتا ہے۔پس تو گویا کہ ہمارا خلیفہ ہے۔'' مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ خلافت ارضی کا مقصد قیام عدل،امر بالمعروف،نہی عن المنکر اور احکام الٰہی کے مطابق رعیت کے امور کا انتظام کرنا ہے۔نبی اکرم ﷺ نے کوہ تہامہ والوں کو مکتوب گرامی تحریر فرمایا۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد ﷺ کی طرف سے۔۔

خدا کے آزاد بندوں کے نام! جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں،اور زکوٰۃ ادا کریں،وہ غلامی سے آزاد ہیں۔محمد ﷺ ان کے حاکم ہیں۔۔ان کو بجز ان کے قبیلوں میں واپس نہیں کیا جائے گا۔اور نہ ہی سابقہ جرائم پر ان سے کوئی باز پرس کی جائے گی۔جن لوگوں پر ان کا قرض واجب ہوگا۔وہ ان کو دلا یا جائے گا۔ان لوگوں پر کوئی ظلم وزیادتی نہیں کی جائے گی۔مذکورہ بالا امور پر ان لوگوں کے لیے جو اسلام لائیں اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی ذمہ داری ہے۔۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ بالا مکتوب میں یہ واضح فرما دیا کہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائیگا۔اور ان پر اسلامی حکومت کی طرف سے کسی قسم کا ظلم وستم اور زیادتی نہیں کی جائے گی۔کیونکہ عدل وانصاف کی بر وقت فراہمی اور رعایا کو ظلم وزیادتی سے محفوظ رکھنا اسلامی نظام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے تقرر خلیفہ کے بارے میں مشاورت کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰؓ سے فرمایا۔ترجمہ ''یعنی اگر میں تجھے خلیفہ بناؤں تو تم عدل (سے حکومت) کرو گے اور اگر عثمانؓ کو

بناؤں تو اطاعت کرو گے۔حضرت سلمانؓ خلیفہ و بادشاہ میں فرق کرتے ہوئے خلیفہ کے قیام کے مقاصد کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ترجمہ۔'' عمر بن خطابؓ سے مروی ہے۔کہ انہوں نے سوال کیا۔طلحہؓ ،زبیرؓ ،سلمانؓ اور کعبؓ سے کہ خلیفہ اور ملک(بادشاہ) میں کیا فرق ہے۔طلحہؓ اور زبیرؓ نے کہا ہم نہیں جانتے۔پھر سلمانؓ نے کہا،خلیفہ وہ ہے جو رعایا میں عدل کرے اور ان کے درمیان برابر کی تقسیم کرے۔اور لوگوں پر ایسی شفقت کرے جیسے کوئی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔اس کے بعد کعبؓ نے کہا کہ میں نہیں گمان کرتا تھا کہ اس مجلس میں کوئی میرے سوا خلیفہ اور ملک کے فرق کو پہچانتا ہے۔''

(۱۰) نظامِ تعلیم کا قیام

۔حضرت عمرؓ اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ترجمہ'' میں شہروں کے امراء پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اُنہیں اس لیے بھیجا ہے تا کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں۔ان کے سامنے سنت کو بیان کریں اور جو معاملہ مشکل ہو میرے پاس لے آئیں۔''

مقاصدِ خلافت اقوالِ فقہاء کی روشنی میں!

(۱)امام الحرمینؒ کے نزدیک مقاصد خلافت درج ذیل ہیں۔(۱) حفظ الحوزۃ۔مرکز اسلام کی حفاظت

(۲) رعایۃ الرعیۃ۔رعیت کی نگرانی

(۳) اقامتِ دعوت دلائل تلوار کے ساتھ

(۴) خوف اور ظلم کو روکنا

(۵) ظالموں سے مظلوموں کو انصاف دلانا اور حقوق چھیننے والوں سے حقوق لے کر مستحقین کو دینا۔آگے چل کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ترجمہ۔''سیدنا ابو بکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہوئے تا کہ لوگوں کو کامل طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔اور دنیوی مصالح اور مراشد(سیدھے راستے) کو برقرار رکھیں۔اور لوگوں کی اصلاح میں

> حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ مقاصدِ خلافت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔''سیاست سے مراد بندگانِ الٰہی کی اصلاح معاش ومعاد کے قوانین کے مطابق، اقامت وحکومت کے طریق سے تربیت کرنا ہے۔''

بھر پور کوشش کریں۔(ب)امام ماوردیؒ نے الاحکام السلطانیہ کے خطبہ میں مقاصدِ خلافت کو یوں بیان کیا ہے۔ترجمہ۔''امابعد! اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی ہے۔اس نے امت (محمدیہ) کے لیے اپنا سردار کا ہونا مندوب کیا ہے۔جو نبوت کا جانشین ہے۔ملت، سیاست اس کے سپرد کی ہے تاکہ شریعت کی تدبیر ہو۔ایک ہی رائے پر اتفاق ہو۔پس امامت ایسی بنیاد ہے جس پر ملت کے قواعد کا استقرار اور اسی سے امت کے مصالح کا نظم قائم ہوتا ہے۔حتی کہ اس سے عمومی امور اور اسی سے ولایات خاصہ کا صدور ہوتا ہے۔امام ابن حزم لکھتے ہیں۔ترجمہ۔''یعنی امت پر عادل خلیفہ کی فرمانبرداری لازم ہے۔جو ان میں احکام الٰہیہ کو قائم کرتا ہے۔اور احکام شریعت جو رسول اللہ ﷺ لائے ہیں ان کا نفاذ کرتا ہے۔(ج)حضرت شاہ صاحبؒ مقاصد خلافت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''جب رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق کے لیے مبعوث ہوئے۔تو مخلوق کے ساتھ معاملات وتصرفات فرمائے اور ان امور کے لیے نائبین مقرر کیے۔ان معاملات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد اقامت دین ہے۔باقی تمام امور اس کے ماتحت ہیں۔(۱)علوم دینیہ کی اشاعت ،جیسے قرآن وسنت کی تعلیم اور وعظ ونصیحت کرنا،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ترجمہ۔''وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔اور اس سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔''(الجمعہ:۲)(۲)اقامت ارکان اسلام یعنی جمعہ،عیدین، پنج وقتی جماعت کی اقامت خود کرنا اور دوسرے مقامات پر امام مقرر کرنا۔زکوٰۃ کی وصولی اور اس کو مصارف میں خرچ کرنا،ہلال رمضان اور ہلال عید کی رویت پر شہادت سننا اور روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا حکم کرنا،حج کا انتظام اور اس کی اقامت خود کرنا یا نائب مقرر کرنا۔(۳)جہاد اور متعلقات جہاد کا قیام (۴)مقدمات کا فیصلہ کرنا، قاضیوں کا تقرر اور اقامت حدود۔(۵)امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا(د) حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ مقاصدِ خلافت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔''سیاست سے مراد بندگانِ الٰہی کی اصلاح معاش ومعاد کے قوانین کے مطابق ،اقامت وحکومت کے طریق سے تربیت کرنا ہے۔

انسانی حقوق اور اسلام

مولانا محمد صدیق مدنی- چمن

اسلام انسانی حقوق کے اہم محافظ ہیں اور حقوق انسانی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا، وہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے پر مجبور ہے، اپنی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور آفات ومصائب کے ازالہ کے سلسلہ میں دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہے، اس قضیہ کے پیش نظر ہر انسان کا یہ عقلی وطبعی حق بنتا ہے کہ دوسرا اس کی مدد کرے، اس کے حقوق و فرائض کا لحاظ رکھے۔ انسان کے بنیادی اور فطری حقوق کے تحت جن جن امور کو شامل کیا جاتا ہے ان میں حقوق اِنسانی کا جامع ترین تصور، انسانی مساوات کا حق، انسانی عزت وآبرو کی حفاظت، انسانی جان ومال اور جائداد کی حفاظت، مذہبی آزادی کا حق، آزادی ضمیر کا حق ضروریات زندگی کا انتظام، انسانی حقوق میں فرد ومعاشرے کی رعایت، بچوں کے حقوق کی حفاظت، اسی طرح انسانوں کے معاشی وثقافتی اور تعلیمی حقوق نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ حقوقِ انسانی کا جامع ترین تصور اسلام نے دیا: مغرب نے حقوقِ انسانی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ انتہائی ناقص اور فرسودہ ہے، اس کے اندر اتنی وسعت نہیں کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کا احاطہ کرسکے اس کے باوجود مغرب حقوق انسانی کی رٹ لگائے تھکتا نہیں، لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مربوط نظام، انسانی حقوق کا پیش کیا وہ زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے، جن میں احترام انسانیت، بشری نفسیات ورجحانات اور انسان کے معاشرتی، تعلیمی، شہری، ملکی، ملی، ثقافتی، تمدنی اور معاشی تقاضوں اور ضروریات کا مکمل لحاظ کیا گیا ہے اور حقوق کی ادائیگی کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ اگر کسی شخص نے دنیا میں کسی کا حق ادا نہیں کیا تو آخرت میں اس کو ادا کرنا پڑے گا ورنہ سزا بھگتنی پڑے گی، حتیٰ کہ جانوروں کے آپسی ظلم وستم کا انتقام بھی لیا جائے گا۔ اللہ کے رسول اللہ نے فرمایا: حق والوں کو ان کے حقوق تمہیں ضرور بالضرور قیامت کے روز ادا کرنے پڑیں گے، حتیٰ کہ بے سنگھے بکرے کو سینگھ والی بکری سے بدلہ دیا جائے گا۔ انسانی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت انسانی حقوق میں سب سے پہلا اور بنیادی حق ہے اس لیے کہ جان سب سے قیمتی اثاثہ ہے، اس کے اردگرد زندگی کی سرگرمیاں گھومتی ہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی، سب سے پہلے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وحشی درندوں کو انسانی جان کا احترام سکھایا، اور ایک جان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ قرآن پاک میں بھی اس کی تائید کی گئی چنانچہ ارشاد باری ہے: جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کا قتل کیا، اور جو اس کی زندگی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔ اسی طرح ارشاد نبوی ہے: رحم کرنے والوں پر اللہ رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے: اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہ کرے۔ اور مال کے تحفظ کو یوں موکد کیا گیا ہے، ارشاد ربانی: اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ، واضح رہے کہ انسانی زندگی کی بقاء کے لیے مال بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح

حق زندگی اور تحفظ مال، انسان کے بنیادی حقوق ہیں، اسی طرح عزت وآبرو کا تحفظ بھی انسان کا بنیادی حق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ اس سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ، اور ایک دوسرے کو برے نام سے مت پکارو۔ اسلامی معاشرہ میں چونکہ ہر فرد کو مساوی حقوق حاصل ہیں کسی کا کسی پر بے جا دباؤ نہیں، ہر ایک آزاد اور خود مختار ہے اس لیے اسلام نے انسان کی شخصی آزادی کی بقاء کے لیے انسان کی نجی اور پرائیویٹ زندگی میں مداخلت سے دوسروں کو روکا ہے اور خواہ مخواہ کی دخل اندازی، ٹوہ بازی اور بلا اجازت کسی کے گھر میں دخول سے منع کیا ہے۔ ارشاد حق ہے: مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں) کے گھروں میں گھر والوں سے اجازت لیے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ (بعض) گمان گناہ ہے اور ایک دوسرے کے حال کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ اسی طرح اسلام میں مذہب اور ضمیر واعتقاد کے تحفظ کی گارنٹی یوں دی گئی: دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے، ہدایت یقینا گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔ اسلامی تاریخ اس بات سے عاری ہے کہ مسلمانوں نے کبھی اپنی غیر مسلم رعایا کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو، یا کسی قوم کو مار مار کر کلمہ پڑھوایا ہو۔ دنیا بھر میں 10 دسمبر کو انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے منشور کی تیاری کے وقت انسانی حقوق کا موضوع مختلف ممالک کے نمائندوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ اسی مشترکہ نظریہ کے پیش نظر جنوری 1947 میں انسانی حقوق کمیشن تشکیل پایا جس کے بعد 1948 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں قرارداد کی منظوری کے بعد 10 دسمبر کو انسانی حقوق کا عالمی دن قرار دیا گیا۔ انسانی حقوق کے اعلامیہ کو جاری ہوئے عرصہ گذر چکا ہے جس کا مشترکہ مقصد دنیا کے ہر انسان کیلئے آزادی کی نعمت اور ظلم وناانصافی نیز ہر طرح کے امتیازی سلوک سے نجات تھا تاہم انسانی حقوق کی فراہمی کا معاملہ اب صرف ایک سیاسی نعرے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی حقوق کی حمایت ایک گرانقدر کام ہے لیکن ایسے وقت میں نہیں جب انسانی حقوق کے اداروں کی رپورٹیں مغرب کیلئے ایک سیاسی ہتھکنڈے میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت انسانی حقوق کا مسئلہ دوسرا رخ اختیار کر چکا ہے اور اسی وجہ سے دنیا کے بہت سے ممالک انسانی حقوق کی بعض شقوں میں تبدیلی کے خواہاں اور انھیں بطور ہتھکنڈہ استعمال کئے جانے کیخلاف ہیں۔ ماہرین کے مطابق انسانی حقوق کی عالمگیریت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک گروہ کا طرز فکر تمام قوموں پر مسلط کر دیا جائے بلکہ اس کا مطلب تمام قوموں اور ثقافتوں کے حقوق کی منصفانہ ضمانت دینا ہے جبکہ امریکا اور مغربی ممالک انسانی حقوق کے نام پر اپنا نظریہ اور ثقافت دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ انسانی حقوق کی قانونی دستاویزات کا مختلف ثقافتوں بالخصوص ڈیڑھ ارب سے زیادہ انسانوں کے دین اسلام کی ثقافت سے عاری ہونا بھی ایک امتیازی رویہ ہے اور اسی وجہ سے آج امریکہ اور بعض مغربی حکومتیں اس سے ناجائزہ فائدہ اٹھارہی ہیں اور اسے اسلام سے دشمنی کیلئے ہتھکنڈہ بنائے ہوئے ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کا مطالبہ ہے کہ انسانی حقوق کی دستاویزات، اصول وقوانین اور میکانیزم میں ان کی دینی تعلیمات کو مدنظر رکھا جائے اور خاص طور پر اقوام متحدہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ انسانی حقوق کی آڑ میں امریکا اور مغربی ممالک کی جانب سے شروع کردہ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کی حمایت ترک کر کے دنیا بھر کے انسانوں کیلئے انسانی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائے۔ جن مغربی ممالک نے منشور حقوقِ انسانی کی داغ بیل ڈالی تھی، آج وہی ممالک حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آئے دن ان ممالک میں جرائم پیشہ افراد کی شرح میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ مفکرین ومدبرین نے اس کے بہت سے اسباب متعین کیئے ہیں، لیکن حقوق انسانی پر ڈاکہ زنی کا بنیادی سبب ان انسانی حقوق کے نفاذ کیلئے کسی داخلی قوتِ نافذہ کا فقدان ہے، علاوہ ازیں مغرب کے حقوق انسانی کا فلسفہ صرف اس کے مفادات کے اردگرد گھومتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقوقِ انسانی ایک نظریہ بن کر رہ گیا، جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن محمد عربی ﷺ نے حقوقِ انسانی کے صحیح نفاذ اور ان کو عملی زندگی سے مربوط کرنے کے لیے فکر آخرت سے جوڑ دیا جس کے باعث بندوں کے اندر حقوقِ انسانی کی رعایت وحفاظت کی ایسی اسپرٹ پیدا ہوگئی کہ بندہ از خود حقوق انسانی کا محافظ بن جاتا ہے۔

اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ

اسلام کا نظامِ کفالت یا نظامِ تکافل بھی ایسا جامع نظام ہے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز، معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں اتنا سامانِ معاش ہر حال میں میسر ہو جائے، جس کے بغیر عام طور پر کوئی انسان نہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے۔۔

مفتی محمد راشد ڈسکوی

اسلام کا نیرِ تاباں ایسی روشنی لے کر نمودار ہوا کہ ظلمت بھری دنیا کے گوشے گوشے کو نورانیت سے بھر دیا، صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اسلام نے اپنا لوہا منوالیا اور ہر میدان میں ایسا نظام پیش کیا کہ دنیا امن کا گہوارہ بن گئی، شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے نظر آنے لگے، امراء کو عزت ملی تو غریبوں کو سکون اور آسائش ملی، ہر فرد دوسرے کے غم کو اپنا غم اور دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے لگا، حتیٰ کہ پورا معاشرہ ایک جسدِ واحد کا نظارہ پیش کرنے لگا، جس کے ایک حصے کی تکلیف کو محسوس کرنے والا صرف ایک عضو ہی نہیں ہوتا، بلکہ پورا جسم ہوتا ہے۔ اسلام کا نظامِ کفالت یا نظامِ تکافل بھی ایسا جامع نظام ہے جس میں بلا کسی تخصیص و امتیاز، معاشرے کے ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں اتنا سامانِ معاش ہر حال میں میسر ہو جائے، جس کے بغیر عام طور پر کوئی انسان نہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے، اور نہ ہی اپنے متعلقہ فرائض و حقوق سرانجام دے سکتا ہے، اس نظام کے تحت ملکی و قومی دولت کی گردش کا دائرۂ کار چند اغنیاء اور بڑے مالدار لوگوں کے درمیان محدود نہ ہونے پائے کہ دوسرے ان کے رحم و کرم کے محتاج ہوں، بلکہ اس صورت میں تو اور بھی خصوصیت کے ساتھ اسلام اس بات کی تعلیم دیتا ہے، کہ معاشرے کے وہ افراد جو مسکین، محتاج اور نادار ہوں اور کسی طبعی عذر کی وجہ سے معذور ہوں، جس کی وجہ سے کوئی معاشی کام کرنے اور اپنے لیے خود روزی کمانے کے لائق نہ ہوں، یا مناسب روزگار نہ ملنے کی وجہ سے حالت ایسی ہو گئی ہو تو ایسے ضرورت مند افراد کی ''معاشی کفالت''، حکومت کی اولین ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اسی طرح جو اُن کے عزیز و قریب ہیں، اُن کے ذمہ اِن کی کفالت ہو گی اور معاشرے کے دیگر جو مالدار لوگ ہیں وہ صدقاتِ واجبہ و نافلہ اور عطیات سے ایسے افراد کی کفالت کا انتظام کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی واضح رہے: اسلام افرادِ معاشرہ کے درمیان جس معاشی مساوات کو پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ یہ نہیں کہ معاشرے کے تمام افراد کے درمیان مال و دولت یکساں اور برابر ہو، جتنی اور جیسی ایک فرد کے پاس ہو اتنی اور ویسی ہی تمام افراد کے پاس ہو، کیونکہ ایسی مساوات، خیالی دنیا میں تو ہو سکتی ہے، لیکن حقیقت کی دنیا میں نہیں ہو سکتی، اسلام جس مساوات کو چاہتا ہے، وہ یہ ہے کہ مال و دولت کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ افرادِ معاشرہ کے معیارِ زندگی اور مظاہرِ معیشت میں زیادہ سے زیادہ ہو،

> **دراصل یہ (نظام) مذموم سرمایہ کاری کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک نیا نظام استحصال، دولت کو اپنے پاس جمع کرتے رہنے کا جدید حیلہ اور عالمِ اسلام میں یہودی کاروبار کو فروغ دینے والا ذہنی، فکری و عملی منصوبہ ہے،**

لہٰذا اسلام غنی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا زائد اور اضافی مال راہ خدا میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور روحانی عظمت اور اخلاقی برتری حاصل کرے۔اس کے بعد یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ مغربی دنیا اور بعض جدّت کی طرف مائل مسلم دانشور بھی یہ پروپیگنڈہ کرتے نظر آتے ہیں کہ ''اسلام نے کوئی معاشی نظام نہیں دیا'' ان کا یہ کہنا انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ معیشت کا تعلق حصولِ رزق اور پیدائشِ دولت سے ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے اور رہنے سہنے کے لیے انتظام کیا جانا انسانی تاریخ کا اتنا قدیم عنصر ہے، جتنی دنیا کی تاریخ، تو کیا ایسا ممکن ہے کہ اسلام آنے کے بعد ہزار سال تک (جو کہ دنیا میں اسلام کے عروج کا دور ہے) لوگ ضروریاتِ زندگی سے محروم تھے؟! ہرگز نہیں! بلکہ حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مختصر دور تو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے، کہ جو نظام محض ۲۳/سال میں انھوں نے پوری دنیا میں متعارف کرا کے رائج بھی کر دیا اور وہ ۳۲/سال تک اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ قائم رہا، پھر غیروں کی سازشوں اور کوششوں سے اِس نظام کے ختم ہونے تک ایک ہزار برس لگ گئے، یعنی جو فلسفۂ معاش ساتویں صدی عیسوی میں انسانیت کے سامنے آیا اُس کے اثرات سترہویں صدی عیسوی تک بھی مٹائے نہ جا سکے، اور آج بیسویں صدی میں بھی دنیا کی ایک بہت بڑی آبادی اِس نظام کو اپنائے ہوئے ہے، پھر اس نظام کو فرسودہ کیونکر کہا جا سکتا ہے؟!

اسلامی نظامِ معاش و نظامِ کفالت کو برباد کرنے کے لیے برسہا برس کی کوششیں ہوئیں، منصوبے بنے، اُن پر عمل ہوا، اور ایک حد تک اِن اسلام دشمن عناصر کو کامیابی بھی ہوئی، اُن منصوبوں میں سے ایک منصوبہ ''نظامِ انشورنس'' بھی ہے جو اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کو ختم کرنے کے لیے وجود میں آیا، ایک نظر اِس مغربی نظامِ انشورنس کے مقاصد پر ڈال لی جائے تا کہ اس کے مقابل اسلام کے نظامِ کفالت کی جامعیت اور افادیت پوری طرح واضح ہو جائے۔ نظام انشورنس سماجی اور معاشی تحفظ کا ضامن نہیں بن سکتا، کیوں کہ اِس کا دائرہ کار انتہائی محدود ہے، اگر تھوڑا بہت نظر آ رہا ہے تو محض اِن ہی افراد کے لیے یہ نظام ہے، جو کمپنی کی پالیسی لیتے ہیں، یہ وہ افراد ہوتے ہیں جو عام طور پر سرمایہ دار ہی ہوتے ہیں، اِس نظام میں ایسے طبقہ یا افراد کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے، جو اُن کے پالیسی ہولڈر نہیں ہیں، جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، ایسے افراد کو سہارا دینے کا، ان کا ساتھ دینے کا، ان کو چلانے کا، گرے پڑے ہوؤں کو اٹھانے کا کوئی پروگرام یا کوئی حصہ نہیں ہے، جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں، اِس نظام میں نہ یتیم بچوں کے سروں پر رکھنے کے لیے دستِ شفقت ہے (کیوں کہ ان کا باپ پالیسی ہولڈر نہیں تھا) اور اُس بیوہ کے لیے کھانے کے ایک لقمہ کا بھی انتظام نہیں ہے، جس کا مزدور خاوند بیمہ کمپنی میں اپنا یا اپنی اس بیوہ کا بیمہ نہ کرا سکا تھا، اِس نظام میں اُن غرباء اور مساکین کے لیے کوئی پالیسی یا انتظام نہیں ہے، جو مکان نہ ہونے کے باعث کھلے آسمان تلے زندگی بسر کر رہے ہیں یا دن بھر مزدوری نہ ملنے کے سبب بھوکے سونے پر مجبور ہیں، ایسا کیوں؟ اِس لیے کہ وہ بیمہ کمپنی کے ممبر نہیں ہیں، اُن کے پاس اِن کی اَقساط ادا کرنے کے لیے وسائل نہیں ہیں۔ مذکورہ تفصیل کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے، کہ ''نظامِ انشورنس'' جس پر آج مغرب فخر کر رہا ہے اور غریبوں کو اپنا محسن ہونا بتا رہا ہے، جس کے پُرفریب اور پُرکشش اشتہارات ''ہر فکر کو دور کیجیے''! اور ''غم کو اپنے قریب بھی نہ بھٹکنے دیجیے!'' کا سبق پڑھا رہے ہیں، دراصل یہ (نظام) مذموم سرمایہ کاری کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک نیا نظام استحصال، دولت کو اپنے پاس جمع کرتے رہنے کا جدید حیلہ اور عالمِ اسلام میں یہودی کاروبار کو فروغ دینے والا ذہنی، فکری و عملی منصوبہ ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ ''امیر کے لیے سب کچھ اور نادار و بے کس غریب کے لیے کچھ نہیں''۔ اِس کے برعکس اسلام کے نظامِ کفالتِ عامہ کو پہچانیے اور اِس کی جامعیت اور کاملیت کا بڑی بیدار مغزی اور پوری بصیرت سے جائزہ لیجیے کہ کتنا دودھ اور کتنا پانی ہے؟! جس کا مقصد اسلامی ریاست کے متمول، صاحبِ ثروت افراد سے جائز اور شرعی طریقے سے لے کر اور غرباء ومساکین ومعذورین سے کچھ بھی نہ لے کر مملکت وریاست کے تمام باشندوں (بلاتمیز مسلم وکافر) کی ہر قسم کی سماجی، ومعاشی حاجات وضروریات کی

کفالت، غیر متوقع پیش آمدہ حادثات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی کی ضمانت دینا ہے۔ یہ نظام (کفالت) اس معاشی نظام کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد محض معاشی کفالت نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ امن وسلامتی کی ضمانت دینا ہے، اس (اسلامی نظام) کا رکن بننے کے لیے کوئی قسط اور کوئی فیس نہیں ادا کرنا پڑتی، بلکہ صرف احکاماتِ الٰہیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اسلام کو بحیثیت ضابطہ حیات تسلیم کرنا، امراء کا جائز شرعی واجبات (زکاۃ، صدقات واجبہ، عشر وغیرہ) ادا کرنا اور پوری زندگی اللہ کا بندہ بن کر رہنا اور بصورتِ ذمی، اسلامی ریاست کا وفادار شہری بن کر رہنا اور معمولی جزیہ (بدلِ تحفظ) کا ادا کرنا ہے۔ اسلام جس قسم کا نظامِ کفالت پیش کرتا ہے، اس میں اوّلیت اس بات کو دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا کوئی شخص بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے، اس نظام میں امیر کو ترغیب دے کر، اور آخرت کا خوف دلا کر یہ درس دیا جاتا ہے کہ وہ غریب اور محروم المعیشت تک اس کی ضروریاتِ زندگی پہنچائے، جو شخص مفلس اور نادار کی حاجت روائی نہ کرے وہ کامل مسلمان ہی نہیں

معاشی نظام سے متعلق قرآن پاک کا اُسلوب!

اسلام میں کمال حاصل کرنے کے لیے جن صفات کا ہونا ضروری ہے، اُن میں سے ایک صفت غرباء کو کھانا کھلانے کی تلقین بھی ہے، ملاحظہ ہو:

"أرءیتَ الذی یکذّبُ بالدّینِ، فَذٰلِکَ الّذِی یدُعُّ الیتیمَ، وَلَا یحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِینِ"۔ (الماعون: ۱ تا ۳) ترجمہ: "کیا تو نے ایسے شخص کو دیکھا جو جزا وسزا کا منکر ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا۔" دیکھیے! غریب کو خود کھانا کھلانے سے انکار تو دور کی بات ہے، یہاں تو اگر کوئی فرد کسی دوسرے متمول شخص کو کسی بھوکے کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا تب بھی اسے صحیح اور کامل دین دار قرار نہیں دیا جا رہا۔ ایک اور جگہ تو بہت سخت لہجے میں فرمایا گیا:

> حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: 'ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے، آپ ﷺ تو رشتوں کو جوڑنے والے ہیں، آپ ﷺ تو کمزوروں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں، جن کا کوئی کمانے والا نہیں آپ ﷺ اُن کو کما کر کھلاتے ہیں، ناتوانوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

"خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ، ثُمَّ الجَحِیمَ صَلُّوْہُ، ثُمَّ فِی سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُہا سَبْعُوْنَ ذِرَاعاً فَاسْلُکُوْہُ، إِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤمِنُ بِاللّٰہِ العَظِیمِ، وَلَا یحُضُّ عَلٰی طَعَامِ۔" (الحاقۃ: ۳۰ تا ۳۴) ترجمہ: اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو، پھر اسے جہنم میں داخل کرو پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو، یقیناً یہ وہی ہے جو خدائے بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا، اور نہ ہی محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔" ایک اور جگہ ایمان والوں کی صفات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"وَیطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیناً وَیتیماً وأَسِیراً"۔ (الدہر: ۸) ترجمہ: "اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں (اپنا) کھانا مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: "فِی أَمْوَالِہِمْ حَقٌّ مَعْلُوْمٌ، لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"۔ (المعارج: ۲۴، ۲۵) ترجمہ: "ان کے اموال میں ایک مقررہ حصہ ہے، مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا۔" مذکورہ آیات میں امراء کے لیے ایک راہِ عمل متعین کر دی گئی، اور پھر دوسرے طرز پر مقصد یہ بتایا گیا کہ: "کَی لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الأَغْنِیاءِ مِنْکُمْ"۔ (الحشر: ۷) ترجمہ: "تاکہ وہ (دولت) تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتی رہے۔" آیتِ کریمہ میں اسلامی معاشرے اور حکومت کی معاشی پالیسی کا یہ بنیادی قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ دولت کی گردش پورے معاشرے میں عام ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ مال صرف مالداروں میں ہی گھومتا رہے، یا امیر روز بروز امیر تر اور غریب دن بدن غریب تر ہوتے چلے جائیں، اس مقصد کے لیے سود حرام کیا گیا، زکوٰۃ فرض کی گئی، مالِ غنیمت میں خُمس مقرر کیا گیا، صدقات کی ترغیب دی گئی، مختلف قسم کے کفارات کی ایسی صورت تجویز کی گئی جن سے غریب افراد کی خاطر خواہ دلداری اور حاجت براری ہو سکے، میراث کا ایسا قانون بنایا گیا کہ ہر مرنے والے کی چھوڑی ہوئی دولت زیادہ سے زیادہ وسیع دائرے میں پھیل جائے، اخلاقی حیثیت سے بخل کو سخت قابلِ مذمت اور سخاوت و فیاضی کو بہترین صفت قرار دیا گیا، الغرض وہ تمام انتظامات کیے گئے کہ دولت پر با اثر لوگوں کی اجارہ داری قائم نہ ہو اور دولت کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف بھی ہو جائے۔

احادیثِ مبارکہ کا معاشی نظام سے متعلق اُسلوب

سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ یہ افرادِ معاشرہ سے

سخاوت کو بالکلیہ ہی ختم کر دیتا ہے، چنانچہ اِس نظام کی کسی بھی کتاب کو اُٹھا کے دیکھ لیا جائے کہ اس میں سخاوت و فیاضی کا کوئی ایک بھی عنوان ڈھونڈنے سے نہ مل سکے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ اس نظام کا خمیر ہی بخل اور امساک سے اٹھایا گیا ہے، جب کہ سخاوت و فیاضی کریمانہ اَخلاق کے وہ حصے ہیں جو اللہ رب العزت کی راہ میں خرچ کرنے سے فقراء ومساکین کی محبت، دنیاداری کی حقارت جیسی عمدہ روحانی غذا پاتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخاوت و فیاضی کے اوصافِ حمیدہ کے ذریعے اپنے مال و دولت میں امت کے غریب و بے کس کو بھی شامل فرمایا اور اِس طرح گردشِ دولت کی راہیں کشادہ کر دیں اور بخل و اِرتکازِ دولت کی عاداتِ رذیلہ کے مضر اثرات کو ختم فرمایا، اور اِس خصلتِ حمیدہ میں امت کو بھی اپنے ساتھ شامل فرمایا، جا بجا ان کی ذہن سازی کی، کبھی ترغیب کے ذریعے اور کبھی ترہیب کے ذریعے، لیکن اِن سب سے بڑھ کر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا پاکیزہ عمل نمونہ تھا، جس کی ادنیٰ سی جھلک پہلی بار نازل ہونے والی وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہونے والی گھبراہٹ کو دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کی اعلیٰ صفات شمار کروانا ہے، ملاحظہ ہو: ”فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَداً إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ تَحْمِلُ الكَلَّ وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ وتُقْرِي الضَّيفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ“ (صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث: ۳، ۱/۷، دارطوق النجاة) ترجمہ: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ کو دیکھ کر) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کریں گے، آپ تو رشتوں کو جوڑنے والے ہیں، آپ تو کمزوروں، بے کسوں کا سہارا بنتے ہیں، جن کا کوئی کمانے والا نہیں آپ اُن کو کما کر کھلاتے ہیں، ناتوانوں کے بوجھ اُٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔“ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ عالیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، ورنہ تو پوری حیاتِ طیبہ یہی اُسوہ پیش کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”أيما أَهلِ عَرْصَةٍ أَصْبَحَ فِيهِمْ اِمْرَءٌ جَائِعاً فقد بَرِئَتْ مِنْهُمْ ذِمَّةُ اللّٰهِ“۔ (المستدرک علی الصحیحین، کتاب البیوع، رقم الحدیث: ۲۱۶۵، ۲/۱۴، دارالکتب العلمیة) ترجمہ: ”کسی بھی بستی میں کوئی شخص اس حال میں صبح کرے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو، تو اللہ رب العزت کا ذمہ اس بستی سے بری ہے۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرباء کی امداد کی اس قدر ترغیب دی کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہمارے پاس جو زائد اموال ہیں ان میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے، ملاحظہ ہو:

”عَنْ أبي سعيدِن الْخُدْرِي رضي اللّٰه عنه قال: ”بَينَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِي صلى الله عليه وسلم إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ له، فَجَعَلَ يصْرِفُ بَصَرَهُ يميناً وشِمالاً“، فقال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم ”مَنْ كَانَ مَعَه فَضْلُ ظَهرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلى مَن لاَ ظَهرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لاَ زَادَ لَهُ“ فذكر من أصنافِ المالِ ما ذكر حتىٰ رَأينا أنَّه لا حَقَّ لأحدٍ مِنّا في فَضْلٍ“۔ (ریاض الصالحین، باب ال ایثار والمواساة، رقم الحدیث: ۵۶۲، ص: ۱۷۳، دارالسلام) ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ“ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے کہ ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اُسے دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو، اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زادِ راہ ہو تو وہ (اُس توشے کو) اُسے دے دے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف انواع کے اموال (اسی طرح اوروں کو دے دینے) کا ذکر فرماتے رہے کہ ہم (میں سے ہر ایک) نے گمان کر لیا تھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی اپنے ضرورت سے زائد مال پر کوئی حق نہیں۔“ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

”مَنْ كَانَ عِندَه طَعَامُ إثنينِ فَلْيَذْهبْ بِثَالِثٍ، فإن أربعٌ فخامسٍ، أو سادسٍ“ (صحیح بخاری، کتاب الہبة، رقم الحدیث: ۲۵۸۱، ۱/۱۵۶، دارالشعب القاہرة) ترجمہ: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو اپنا مہمان بنا لے، اور اگر چار (آدمیوں) کا کھانا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو (اپنا مہمان بنا لے)“۔ ایک اور روایت میں ہے کہ: ”طعامُ الإثنينِ كافي الثلاثةِ وطعامُ الثلاثةِ كافي الأربعةِ“ (ریاض الصالحین، باب الإيثار والمواساة، رقم الحدیث: ۵۶۵، ص: ۱۷۳، دارالسلام) ترجمہ: ”دو افراد کا کھانا تین افراد کو کفایت کر جائے گا اور تین کا کھانا چار کو کفایت کر جائے گا“۔ کفالت کے اس سلسلے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”عَنْ جَابِرٍ رضي اللّٰه عنه يقول: سَمِعْتُ رسولَ اللّٰه صلى

الله عليه وسلم يقول: ''طعامُ الواحدِ يكْفِي الإثنينِ وطعامُ الإثنينِ يكفي الأربعةَ وطعامُ الأربعةِ يكفي الثمانيةَ''. (صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة، رقم الحديث: ۵۴۸۹، ۲/۱۳۲، دارالجيل، بيروت) ترجمہ: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ایک فرد کا کھانا دو کے لیے کافی ہوجائے گا، دو کا کھانا چار افراد کے لیے کافی ہو جائے گا، اور اسی طرح چار افراد کا کھانا آٹھ افراد کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔'' یہ ہیں وہ تعلیمات جو اسلام کی جامعیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، جن پر عمل پیرا ہو کر یہ امت وحدتِ امت کا نمونہ پیش کرسکتی ہے، یہ تصور امت کے اندر سے منافرت کی بو تک مٹا دیتا ہے، اور امت مسلمہ کو یک جان کر دیتا ہے، اس کی بہت ہی دلکش تعبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے: ''مَثَلُ المؤمنينَ فِي تَوادِّهِمْ وتَراحُمِهِمْ وتَعاطُفِهِمْ مثَلَ الجَسَدِ إذا اشْتَكىٰ منه عُضْوٌ تَداعىٰ لَهُ سائرُ الجِسْمِ بِالسَهرِ وَالحَمىٰ'' (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين، رقم الحديث: ۶۷۵۱، ۸/۲۰، دارالجيل، بيروت) ترجمہ: ''مؤمنین کی مثال ان کے آپس میں محبت وشفقت، اُنس ومودت اور لطف وکرم میں ایک جسم کی مانند ہے، جس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔'' اس سے اندازہ کر لینا چاہیے کہ کیا مغرب کا پیش کردہ ''نظامِ انشورنس''، اسلام کے ''نظامِ کفالت عامہ'' کے برابر ہوسکتا ہے؟! اس کے علاوہ اور بہت سی روایات وآثار اس بارے میں منقول ہیں، مثلاً: ''صَحَّ عَن أبي عبيدةَ بنِ الجراحِ وَثَلثُ مائةٍ مِنَ الصحابةِ أن زَادَهمْ فني، فأمرهم أبو عبيدةُ، فأجمعوا أزوادَهم في مِزْوَدين وجَعَلَ يقُوتُهم إياها على السواء''. (المحلّى لابن حزم، كتاب الزكاة، إن الله فرض على الأغنياء ما يكفي الفقراء، ۴/۲۸۳، دارالكتب العلمية) ترجمہ: ''حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق یہ روایت درجۂ صحت کو پہنچتی ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کا سامانِ خورد ونوش ختم ہونے کے قریب آ لگا تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر ہے، وہ حاضر کرے اور پھر سب کو یکجا کیا اور ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کو ''قوتِ لایموت'' کا سامان مہیا کر دیا۔''

وَعَنْ أبي موسىٰ رضي الله عنه، قال قال رسولُ الله صلى الله عليه وسلم إن الأشْعَرِيين إذا أرْمَلُوا في الغزوِ، أو قَلّ طعامُ عيالِهِمْ بالمدينةِ، جَمَعُوا مَا كان عندَهم في ثوبٍ واحدٍ، ثم اقْتَسَمُوه بَينَهم في إناءٍ واحدٍ بالسويةِ، فَهمْ مِنّي وأنا مِنْهم''. (رياض الصالحين، باب الإيثار والمواساة، رقم الحديث: ۵۶۸، ص: ۱۷۳، دارالسلام) غور کریں اس حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلہ والوں کی اس وجہ سے تعریف کی کہ جب کبھی سفر حضر میں ان کے ہاں غلہ کی کمی ہو جاتی تو وہ اپنا غلہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے اور پھر برابر تقسیم کر لیتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خوش ہو کر فرمایا: ''وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔'' ''المحلی بالآثار'' میں علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے کہ ''اس بات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا، ننگا یا ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے تو مالدار کے خاص مال میں سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔'' (المحلی بالآثار، کتاب الزکاۃ: ۴/۲۸۳، دارالکتب العلمیۃ) ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تمام ائمۂ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے (اسلام کا اقتصادی نظام، ص: ۴۶، ندوۃ المصنّفین) خلاصۂ کلام! اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعے تعاون و تکافل کا وہ اعلیٰ ترین معیار قائم کرتا ہے، جس کی بلندیوں تک آج مذموم سرمایہ دار اور لادین اشتراکی ذہن رکھنے والے کا تخیل، پرواز ہی نہیں کرسکتا۔ اسلام معاشی کمزوریاں دور کرنے کے لیے اجتماعی کفالتِ عامہ کا جو تصور پیش کرتا ہے اُسے صرف وعظ وتلقین ہی تک نہیں چھوڑا، اور نہ ہی اسے صرف انفرادی اور اجتماعی وجدان کے رحم وکرم کے سپرد کیا ہے، بلکہ اسلامی ریاست کے امیر المؤمنین کو ذمہ دار بنایا ہے، کہ وہ اس نظام کو عملی جامہ پہنائے اور اس کے احیاء میں آنے والی ہر رکاوٹ دور کرے۔

> آج سے چودہ سو سال قبل یہ نظامِ کامل پوری طرح چمکتا ہوا، انسان کو انسان اور جہالت ونفسانیت میں ڈوبے معاشرے کو ایک صالح اور پُر امن معاشرے میں ڈھال چکا تھا، جس کی حقانیت کا اعتراف اپنے تو اپنے، غیر بھی کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اسلامی نظامِ تکافل کی حدود اور طریقہ کار!

مندرجہ بالا سطور میں یہ بات تفصیل سے گذر چکی ہے کہ کفالتِ عامہ بنیادی طور پر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے، اس کے تحت اب جائزہ اس بات کا لینا ہے کہ یہ نظام، ریاست میں بسنے والے صرف مسلمانوں کے لیے ہوگا یا غیر مسلم بھی اس نظام سے مستفید ہوسکیں گے اور پھر اس نظام کے تحت کس قسم کی ضروریات پوری کی جائیں؟ ہر انسان کے ساتھ کچھ ضروریات ایسی ہوتی ہیں، جو انسانیت کی فلاح و بہبود سے متعلق ہوتی ہیں، مثلاً تعلیم، صحت، تزویج، نومولود بچوں کے وظائف، معذور افراد کی دیکھ بھال، مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی وغیرہ۔ اس کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے، نظامِ کفالت کا سارا بوجھ سرکاری ریاست کے ہی ذمے ہے یا معاشرے کے افراد بھی اس میں شامل ہیں، چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ افرادِ امت کے ذمہ بھی کچھ مختلف نوعیت کی ذمہ داریاں لاحق ہوتی ہیں، جن میں کچھ قانونی اور کچھ اخلاقی ذمہ داریاں ہیں، قانونی ذمہ داریوں کو ''صدقاتِ واجبہ'' (مثلاً: زکوٰۃ، عشر، صدقۂ فطر، کفارات، اور نذور وغیرہ) اور اخلاقی ذمہ داریوں کو ''انفاق'' (مثلاً: صدقاتِ نافلہ، قرضِ حسنہ، ہبہ، عاریت، وصیت، امانت، اوقاف، میراث، اور نفقات وغیرہ) سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ پھر اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہی سرکاری ادارے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے مصارف کہاں سے اور کیسے لائیں گے؟ اس کے لیے کون کون سے ذرائع اختیار کیے جائیں گے؟ تو یہ مصارف اور ذرائع آمدنی اسلام میں متعین ہیں، مثلاً: زکوٰۃ، خمس، متعین شرائط کے ساتھ جائز ٹیکس، اموالِ فاضلہ، خراج، منافع تجارت وغیرہ۔ خلاصۂ کلام! اگر مندرجہ بالا شعبوں کا احیاء ہوجائے اور یہ مصروفِ عمل ہوجائیں تو ممکن ہی نہیں کہ ملک میں دولت کے ذخائر پر محض چند اور مخصوص افراد قابض ہوں، اور گردشِ دولت کا بہاؤ صرف اور صرف سرمایہ کاروں کی طرف ہی ہو، اور اس کے برعکس دوسری طرف غریب طبقہ ظلم کی چکی میں پس رہا ہو، اور بھوک پیاس کی حالت میں ایک ایک لقمے کا محتاج ہو۔ اگر اسلام کا یہ نظامِ کفالت وجود میں ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں غیروں کے بنائے ہوئے نظامِ انشورنس وغیرہ کا سہارا لینا پڑے اور اپنے دین و مذہب کا خون کرنا پڑے، البتہ اس کے لیے انتھک محنت کرنا ہوگی، کہ جس طرح آج سے چودہ سو سال قبل یہ نظامِ کامل پوری طرح چمکتا ہوا، انسان کو انسان اور جہالت و نفسانیت میں ڈوبے معاشرے کو ایک صالح اور پُرامن معاشرے میں ڈھال چکا تھا، جس کی حقانیت کا اعتراف اپنے تو اپنے، غیر بھی کرنے پر مجبور ہوگئے، اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی ایسی ایسی مثالیں قائم ہوئیں کہ آج تک مغرب معاشرہ اس کی کوئی نظیر پیش نہ کرسکا، تو کوئی وجہ نہیں کہ کوئی نظام اس وقت ''جب کوئی ظاہری ٹھاٹ باٹ نہ تھے'' اپنا اثر قائم کرسکتا ہو اور آج کے دور میں بے اثر ہو!! اگر معاشرے کے چند با اثر افراد مل کر ہمت و کوشش کرلیں اور اپنے فاضل اموال کو مذکورہ بالا مدّات میں خرچ کرلیں اور پھر ان کی دیکھا دیکھی کچھ اور، اور پھر کچھ اور، حتیٰ کہ ہر طرف ایک عام فضا بن جائے تو یقیناً مقصود حاصل ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

بقیہ: سیکولرزم کی تباہ کاریاں اور اس سے بچنے کی تدابیر

یعنی ہمارا ہر قول اور ہر عمل قرآن وسنت کے منشاء کے مطابق ہوجائے، حدیث میں ہے ''ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی ابدا''۔ (۳) تقویٰ، یعنی ہر حالت میں اللہ سے ڈرنے لگ جائیں، اور ہر طرح کے منکر اور حرام سے مکمل اجتناب کریں، اور ہر فرض وسنت کو اپنی زندگی کا لازمی جز بنائیں۔ (۴) اسلامی تعلیمات کو خوب عام کریں، اور یقین رکھیں کہ کامیابی اسی پر عمل کرنے میں ہے نہ کہ کسی اور چیز میں۔ (۵) دعا کا التزام کریں، اپنے لیے پوری امت کے لیے، رو رو کر اللہ کے دربار میں دعائیں کریں، خاص طور پر یہ دعا کریں کہ اللہ امت کو منافقین کے شر سے نجات دے اور بچائے اور اسلام پر ثابت قدم رکھے۔ (۶) غفلت سے بیدار ہوں، اور دشمنوں کے مکر وفریب سے اور ان کے سازشوں سے واقف ہوں اور اس سے بچنے کی تدابیر کریں، اللہم اجعل کیدہم فی تضلیل۔ (۷) اس وقت سب سے بڑی ضرورت اسلامی تعلیمات سے واقف ہونا ہے، لہٰذا اس جانب توجہ دیں، تاکہ حلال حرام کی تمیز ہوسکے، علماء سے اپنے مسائل میں رجوع کریں، اور اپنے بچوں کی اسلامی تربیت کی فکر کریں۔ (۸) ٹیلی ویژن کی نحوست سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو، کوسوں دور رکھیں، فلم، کھیل کود اور فضول چیزوں میں وقت صرف نہ کرکے اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اللہ ہماری ہر طرح کے شر سے حفاظت کرے اور ہر طاعت کے کرنے کی توفیق دے اور پوری امت کو اسلام سے وابستہ کردے۔ آمین

اُف یہ عادت

عمر فاروق راشد

آپ شاید مجھ سے اتفاق نہ کریں۔ مگر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ ہم کم وبیش روزانہ ایک گھناؤنے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں، اس کے لیے ہم اپنے سگے بھائیوں تک کو معاف نہیں کرتے۔ آپ کو یقینا برا لگے گا، مگر وہ خصلت ہی ایسی ہے، ایک بار نہیں ہم یہ عمل دن میں بار بار دہراتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ تب ہم ذرا نہیں چوکتے اور یہ انتہائی گھناؤنی حرکت سرزد کرتے چلے جاتے ہیں۔ یقین مانیے، ایسا ہی ہے۔ آپ سوچیے! صبح دفتر آنے، فیکٹری پہنچنے اور اپنی دیگر مصروفیات میں لگنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے متعلق ہماری زبان جو کچھ اگلنے لگتی ہے، اسے غیبت کہتے ہیں۔ ہم عمومی طور پر اپنے ہم دفتر ساتھیوں، اپنے افسران اور اپنے پڑوسیوں وغیرہ کی برائی بیان کرتے رہتے ہیں۔ ہم ان سے متعلق ایسی گفتگو میں مشغول رہتے ہیں جو اگر ان کے سامنے کی جائے تو یقینا انہیں ناگوار گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا تذکرہ (اس کی غیر حاضری میں) اس انداز سے کرو کہ (اگر اسے پتا چلے تو) اسے ناگوار ہو۔'' غیبت ایسا گناہ ہے جب تک غیبت سے متاثرہ شخص سے معافی نہیں مانگ لی جاتی، یہ ہرگز معاف نہیں ہوسکتا اس قسم کی گفتگو اللہ تعالی کو اس قدر ناگوار ہے کہ اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی مانند قرار دیا ہے۔ اللہ تعالی سورہ حجرات، آیت: 12 میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے۔'' حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں: '' غیبت در اصل ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ غور کرنے سے اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی ضرور ایسا محرک نکلے گا جو کسی نہ کسی نفسیاتی روگ کی نشاندہی کرے گا۔ بعض اوقات اس کا محرک حسد ہوتا ہے۔ ہم کسی شخص کو آگے بڑھتا ہوا دیکھ نہیں سکتے اور اس کی برائی کر کے اپنے دل کو تسکین پہنچاتے ہیں۔ کبھی اس کا محرک احساس کمتری یا تکبر ہوتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا باور کرانا چاہتے ہیں۔ ہم اس شوق میں اس کی برائی بیان کرنے لگتے ہیں کہ ہمیں اس برائی سے پاک سمجھ کر اس سے افضل جانا جائے۔ کبھی اس کا محرک یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کا مذاق اڑا کر ہم مجلس میں مقبولیت حاصل کرلیں۔ گویا ہم اپنی مقبولیت کی عمارت دوسرے کی آبرو پر کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔'' آج ہم میں یہ بیماری اتنی رواج پا گئی ہے کہ اس کی قباحت ہی دلوں میں نہیں رہی۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کسی بیماری کی وجہ سے زبان کا ذائقہ خراب ہو جائے تو اسے کڑوی چیز میٹھی اور میٹھی چیز کڑوی لگنے لگتی ہے۔ پھر اس کڑوی چیز کو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

بقیہ صفحہ (39) پر

خواتین کا دین کی خاطر تکالیف برداشت کرنا

مولانا محمد غیاث الدین حسامی

خواتین نے راہِ حق سے اپنا رشتہ جوڑنے، اللہ اور اسکے رسولوں کے ساتھ وفاداری، عقیدت ومحبت، اطاعت وفرمانبرداری کی ایسی حیرت انگیز نظیریں قائم کیں جن کی مثال آج کے مرد پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

حضرات انبیاء کرام پوری انسانیت کی ہدایت و رہنمائی اور فلاح ونجات کے لئے اللہ کا پیغام لے کر اپنے اپنے زمانے میں تشریف لے آئے، اس پیغام کو اپنے سینے سے لگانے، اسے اپنی زندگی کا دستورِ عمل بنانے، اس کی خاطر تکالیف برداشت کرنے، اور مصائب وابتلاء کی صورت میں ثابت قدم رہنے میں جہاں مردوں نے جرأت و ہمت کے ساتھ حیران کُن مظاہرہ کیا اور بے شمار مثالیں قائم کیں، وہیں خواتین نے راہِ حق سے اپنا رشتہ جوڑنے، اللہ اور اسکے رسولوں کے ساتھ وفاداری، عقیدت ومحبت، اطاعت وفرمانبرداری کی ایسی حیرت انگیز نظیریں قائم کیں جن کی مثال آج کے مرد پیش کرنے سے قاصر ہیں، اور جن کے ایمانی جذبہ سے آج بھی ملت اسلامیہ کا ہر فرد رہنمائی حاصل کرتا ہے ۔ خدائے واحد و برتر کے لئے اپنے گھر بار اور اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر اللہ کی محبت میں ایسی جگہ جا کر تن تنہا رہنے والی بی بی ہاجرہؓ کا واقعہ مفسرین نے بیان کیا ہے، یہ وہ خاتون ہے جو اپنی جان جوکھم میں ڈال کر چھوٹے سے بچہ اسماعیلؑ کے ساتھ مکہ کی ایسی وادی میں زندگی بسر کرنے لگی جس کو قرآن نے غیر ذی زرع کہا ہے، اس بے آب وگیاہ وادی میں جب شوہر ابراہیمؑ ان دو کمزور جانوں کو چھوڑ کر جارہے تھے تو بی بی ہاجرہؓ نے اپنے شوہر سے صرف اتنا ہی پوچھا کہ کیا یہ میرے ربّ کا حکم ہے، ابراہیم نے سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا کہ ہاں یہ اللہ کا حکم ہے، بی بی ہاجرہؓ نے اس خدائی فیصلہ کو پورے جذبۂ اطاعت کے ساتھ قبول کیا، جب ننھے اسماعیلؑ کو مکہ کی سخت گرمی کی وجہ سے پیاس لگتی تو بی ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ دو پہاڑوں پر دوڑنے لگتی لیکن پانی کو نہ پاتیں، سات چکر کے بعد اللہ تعالی بی بی ہاجرہؓ ننھے اسماعیلؑ کے لئے پانی کا انتظام کرتا ہے، اور اس وادی میں اللہ اور اس کے رسول ابراہیمؑ کے خاطر بی بی ہاجرہؓ اتنی تکالیف برداشت کی کہ پوری تاریخ نسوانی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے (تفسیر مظہری باب سورۃ ابراہیم ۵/ ۲۷۶) اسی طرح فرعون کی بیوی اور اس کی ایک خادمہ کا واقعہ امام مجاہدؒ نے اپنی تفسیر ’’تفسیر مجاہد‘‘ میں بیان کیا ہے، فرعون کی بیوی آسیہ اور ان کی خادمہ مشاطہ حضرت موسی پر ایمان لائیں، اس کی اطلاع فرعون کی ملی اس نے پہلے مشاطہ کو بلا کر پوچھا، انہوں نے بھرے دربار میں حقیقتِ حال بیان کردی، فرعون نے ان پر اتنے مظالم ڈھائے لیکن اللہ کی یہ نیک بندی دامنِ استقامت ہاتھ سے جانے نہیں دیا فرعون نے ان کی دو بیٹوں کو ان کے سامنے ذبح کیا گیا، اور ان پر سانپ

چھوڑے گئے، اور ہاتھ پیر میں کیل ٹھونکے گئے، ان سب کے باوجود اس نیک دل خاتون کی زبان پر ایک جملہ تھا فاقض ما انت قاض، ربی و ربک و رب کل شیء اللہ۔ تو جو چاہے کرے میرا اور تیرا اور ہر چیز کا ربّ اللہ ہے، یہی ایک جملہ کہتے ہوئے اپنی جان کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش کردی لیکن ایمان جو جان سے زیادہ عزیز تھا اُسے نہ چھوڑا۔ اس کے بعد فرعون اپنی بیوی آسیہؓ کو بلایا، انہوں نے بھی فرعون کی خدائی کا انکار کر کے ایک خدا کا اقرار کیا، اس ایک اقرار نے بی بی آسیہؓ پر مظالم کا دروازہ کھول دیا فرعون نے تمام لوگوں کے سامنے انہی برہنہ کیا اور ان کے ہاتھوں اور پیروں میں لوہے کے کیل ٹھونکے گئے اور پورے جسم سے کھال اتاری گئی اور اس پر مرچ ڈالی گئی اور اسی حالت میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئیں، اور اس تکلیف دہ حالت میں وہ خدائے لاشریک سے دعا کرنے لگیں، رب ابن لی عندک بیتا فی الجنة ونجنی من فرعون و عمله ونجنی من القوم الظالمین۔ اے پروردگار! مجھے اس محل کے بدلے جنت میں آپ کے پاس ایک گھر چاہئے، اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات عطا فرما دیجئے (تفسیر مجاہد باب سورۃ قصص ۱/۴۲۵) جب تمام نوعِ انسانی کے ہدایت کے لئے مکہ میں نبی آخرالزماں کی بعثت ہوئی اور مکہ کے لوگ اسلام کے دامن میں جمع ہو رہے تھے اس وقت کفار مکہ انہی اسلام سے پھیرنے کے لئے جان توڑ کوشش کی، اور ہر طرح کے تکالیف و مظالم ان پر ڈھائے، کسی کو آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا کسی کو سخت تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینہ پر وزنی پتھر رکھا گیا کسی پر کوڑوں کی بارش کی گئی اور کسی کو باری باری مارا گیا لیکن اس جان لیوا عذابات کے باوجود نبی ﷺ کے بلند حوصلہ صحابہؓ کے قدم نہیں ڈگمگائے بلکہ اور مضبوط ہوگئے۔ آپ ﷺ کے مشن کی سربلندی اور اس کے اعلاء اور فروغ کی جدوجہد میں نوع انسانی کی اس صنف نازک نے اپنے حصے کا پورا پورا حق ادا کیا بلکہ بعض مواقع پر تو وہ اس شرف میں مردوں پر بھی سبقت لے گئیں، یہ برکت تھی اس دین کی اور یہ جاذبیت تھی اس سراپا شفقت ہستی کی جس کی ذات کی صورت میں اس طبقے کو اپنا ایک مخلص، ایک محسن، ایک خیرخواہ اور ایک ہمدرد مل گیا تھا، جس کے پاس وہ اپنی مظلومی اور بے کسی کی شکایات لے کر جا سکتی تھیں اُسی کی بارگاہ سے وہ اپنے دکھوں اور اپنی پریشانیوں کا مداوا اور اپنی تکلیفوں کا تریاق حاصل کرسکتی تھیں۔ عبداللہ کے درِیتیم اور آمنہ کے لختِ جگر پر غارِحرا میں پہلی وحی کا نزول ہوا، آپ ﷺ پر کپکپی کی کیفیت طاری ہوگئی، آپ ﷺ اسی حالت میں گھر تشریف لائے اور اپنی رفیقہ حیات سیدہ خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے، سیدہ نے غارِحرا کی تمام داستان سن کر آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے: خدا کی قسم! اللہ آپؐ کو کبھی رنج نہیں دے گا، آپؐ تو رشتے داروں کے کام آتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے کسوں کی مدد کرتے ہیں، نادار کی دستگیری کرتے ہیں، مہمان کی تواضع کرتے ہیں، اور تمام نیک کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اس طرح اللہ کے آخری رسول ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا اولین شرف ایک خاتون کے حصے میں آیا، حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد تقریباً ۹ سال زندہ رہیں اس مدت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر طرح کے مصائب کو نہایت ہی ہمت سے برداشت کیا اور اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے طعن و تشنیع اور ملامت کی پرواہ کئے بغیر اپنے آپ کو تبلیغ دین میں لگایا، کفار مکہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعبِ ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہؓ بھی اس مصیبت میں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں، پورے تین سال اس جان لیوا آلام و مصائب بڑے ہی صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیے، اور آپ ﷺ کی معیت کا حق ادا کیا، ان کے اس شرف نے سیدہ خدیجہؓ کی تمام روحانی بیٹیوں کا سرفخر سے بلند کردیا، اس فخر پر وہ اپنے ربّ کی بارگاہ میں جذبہ شکر سے سرشار ہو کر اپنا سر جتنا بھی خم کریں کم ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی ایک اور زوجہ محترمہ حضرت امّ سلمہؓ نے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے خاطر جب اپنے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ اور ننھے بیٹے سلمہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کر رہی تھی ان کے قبیلہ بنومغیرہ کو معلوم ہوا انہوں نے ان کا راستہ روک لیا، اور ابوسلمہؓ سے کہا تم اکیلے جا سکتے ہو، ہماری لڑکی تمہارے ساتھ نہیں جائے گی، یہ کہہ کر انہوں نے امّ سلمہؓ کو زبردستی اپنے ساتھ لے چلے، اتنے میں ابوسلمہؓ کے قبیلہ بنو عبدالاسد وہاں آپہنچے، انہوں نے امّ سلمہؓ کے بچے سلمہ پر قبضہ کرلیا، اور بنومغیرہ سے کہا اگر تم اپنی لڑکی کو ابوسلمہؓ کے ساتھ جانے نہیں دیتے تو ہم اپنے قبیلہ کے بچے کو تمہارے پاس نہیں چھوڑیں گے، مکمل ایک سال امّ سلمہؓ اپنے بیٹے اور شوہر کے بغیر گذرا، وہ روزانہ صبح کے وقت گھر سے نکلتیں اور ایک ٹیلے پر بیٹھ کر رویا کرتی تھی، گویا دین کی خاطر حضرت امّ سلمہؓ نے یہ تکالیف برداشت کی ہے۔ حضرت عروۃ

بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو کنانہ یا ابن کنانہ مکہ سے لے کر چلے قریش مکہ ان کی تلاش میں نکلے راستہ میں انہیں روک لیا، ایک شخص نے اپنا نیزہ ان کے اونٹ کو مارتا رہا، حضرت زینبؓ اونٹ سے نیچے گر پڑی، جس کے وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو چکا اور خون بہنے لگا، لوگ انہیں ابوسفیانؓ کے پاس لے گئے ، ابوسفیانؓ ان کو عورتوں کے حوالے کر دیا، پھر کچھ عرصہ بعد حضرت زینبؓ ہجرت کر کے مدینہ آئیں اور مسلسل بیمار رہنے لگیں، اس بیماری میں ان کا انتقال ہو گیا، سب مسلمان انہیں شہید سمجھتے تھے، حضور انور ﷺ ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ میری بیٹیوں میں سے یہ سب سے اچھی بیٹی ہے جسے میری وجہ سے بہت زیادہ تکلیف اٹھانی پڑی ۔ایک دن آپ ﷺ بنی مخزوم کے محلے سے گزرے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفار قریش نے ایک بوڑھی عورت کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا رکھا ہے، اور پاس کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں، ساتھ ہی اس مظلوم خاتون سے کہہ رہے ہیں کہ محمد کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھو، اس مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر نبی ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا ''صبر کرو تمہارا ٹھکانہ جنت ہے'' یہ خاتون جنہیں جنت کی بشارت دی گئی حضرت سمیہؓ بنت خباط ہے، جس کے تمام گھرانے پر قریش کا عتاب نازل ہوا ان کے شوہر یاسرؓ اور بیٹے عبداللہؓ کفار کے اذیتوں کی تاب نہ لا کر واصل جنت ہوئے ادھر بوڑھی سمیہؓ اور ان کے بیٹے عمارؓ ہر طرح کی مصیبتوں سے آزمایا گیا، ایک مرتبہ ابوجہل غضبناک ہو کر حضرت سمیہؓ پر نیزہ سے وار کیا جو جسم کے آر پار ہو گیا وہ اسی وقت اسلام کی پہلی شہید خاتون کے بلند مرتبہ پر فائز ہو کر جان جانِ آفریں کے سپرد کیا۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد حضور انور ﷺ نے دین حق کی دعوت کا کام شروع کیا، حالات اور مصلحت کے تقاضوں کے پیش نظر ابتداء میں یہ کام نہایت راز داری سے کیا

نبوت کے چھٹے سال جب ہجرت کے ارادے سے اپنے شہر سے دوسرا قافلہ نکلا تو اس میں اگر مرد 80 تھے تو 19 خواتین بھی ان کی شریک سفر تھیں، ان ہجرت کرنیوالی خواتین کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں کوئی عمر رسیدہ یا باندی شامل نہ تھی، بلکہ سب کی سب نوعمر اور معزز قبیلوں اور خاندانوں کی بہو بیٹیاں تھیں

گیا، خفیہ دعوت وتبلیغ کا یہ سلسلہ پورے تین سال تک جاری رہا، اس عرصہ میں اس تحریک کو ۱۳۳ جانباز اور وفا شعار کارکن اور مددگار ملے، ان میں ۲۶ خواتین بھی تھیں جو ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر حق وصداقت کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئی تھیں۔ جوں جوں دین اسلام کا غلبہ ہونے لگا، لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے تو کفّار و مشرکین کی طرف سے مخالفت ومزاحمت، عناد ودشمنی کا ایک طوفان نے پوری شدت سے مکہ کے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، ایمان واسلام کی دولت حاصل کرنے والوں کے لئے ظلم وستم کے نئے نئے طریقے ایجاد ہونے لگے، غلاموں اور باندیوں کی داستان تو الگ ہے، بڑے بڑے شریف گھرانوں کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی ظلم وستم کے عذاب کی اس چکی میں پیسے جانے لگے؛ مگر یہ حق کا نشہ تھا کہ ہر تکلیف واذیت ہر سختی اور تنگی اس نشے کو اور تیز کرتی گئی، ابتلا وآزمائش کے اس دور میں جہاں مردوں نے بے پایاں ثابت قدمی کا ثبوت دیا وہیں خواتین بھی اس امتحان میں ان سے پیچھے نہ رہیں۔

تین سال کے بعد دعوت وتبلیغ کا کام کھلم کھلا شروع ہوا، اس کے ساتھ ہی باطل کے پرستاروں کی طرف سے مزاحمت بھی شدت سے ہونے لگی، یہاں تک کہ اللہ کا نام لینے والوں پر مکہ کی زمین تنگ ہو گئی، آخر کار مجبور ہو کر اپنے رہنما کی اجازت سے کچھ بلند ہمت افراد اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے مکہ کو خیر آباد کہہ کر حبشہ کی طرف جانے کے لئے نکلے، اس قافلے میں اگر مرد گیارہ تھے تو اس پُر صعوبت سفر کی سختیاں برداشت کرنے والوں میں چار خواتین بھی تھیں، جنہوں نے خدا کی خاطر اپنے وطن کی تمام آسائشوں اور سہولتوں کو چھوڑ دیا تھا۔

نبوت کے چھٹے سال جب ہجرت کے ارادے سے اپنے شہر سے دوسرا قافلہ نکلا تو اس میں اگر مرد 80 تھے تو 19 خواتین بھی ان کی شریکِ سفر تھیں، ان ہجرت کرنیوالی خواتین کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان میں کوئی عمر رسیدہ یا باندی شامل نہ تھی، بلکہ سب کی سب نوعمر اور معزز قبیلوں اور خاندانوں کی بہو بیٹیاں تھیں، ان میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سیدہ رقیہؓ، قریش کے سردار ابوسفیانؓ کی بیٹی ام حبیبہؓ، اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کی چچازاد بہن ام سلمہؓ، بنی

ہاشم سے اسماء بنت عمیسؓ بنی امیّہ سے فاطمہ بنت صفوانؓ اور عمینہ بنت حلفؓ، بنی خزاعہ سے ام حرملہ بنت عبدالاسودؓ، بنی سہم سے رملہ بنت ابی عوفؓ، بنی تیم سے ریطہ بنت الحارثؓ، بنی عدی سے لیلیٰ بنت ابی حمۃؓ جیسی معزز، شریف اور باحیثیت خواتین بھی مہاجرین کے ان قافلوں میں شامل تھیں، اس ہجرت نے قریش کے تمام سرداروں اور مکہ کے پورے معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا، کسی کی بیٹی گئی تھی تو کسی کی بہن، ہر ایک یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ آخر اس نئے دین میں ایسی کیا خوبی اور کشش ہے کہ ان کی اولاد اور ان کی بہو بیٹیاں اپنے گھر اپنے شہر اور اپنے قبیلے اور خاندان کی محبت کو قربان کر کے جلاوطنی کی ذلتیں، مصیبتیں قبول کرنے پر تیار ہو گئے ہیں، اسی سوچ نے اکثر کو ایسا متاثر کر دیا کہ آخر کار وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر رہے۔ حضرت امّ شریکؓ دومیہ نے دعوتِ حق کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر لیا، ان کے اسلام لانے کے جرم میں ان کے مشرک رشتہ داروں نے انہیں دھوپ میں کھڑا کر دیا، اور اس حالت میں انہیں روٹی کے ساتھ شہد کھلاتے تھے جس کی تاثیر سخت گرم ہوتی ہے، پانی پلانا بند کر دیا، جب اس طرح تین دن گزر گئے تو مشرکین نے کہا کہ جو دین تم نے اختیار کیا ہے اُسے چھوڑ دو، تین دن تین رات کی مصیبت سے بدحواس ہو گئی تھی، لیکن مشرکین کی یہ بات سن کر پوری ہمت و جرأت کے ساتھ فوراً بولیں: خدا کی قسم! ''میں تو خدا کی توحید کے عقیدے پر ہی قائم ہوں'' حضرت امّ شریک نے خود ہی اسلام قبول نہیں کیا بلکہ پوری سرگرمی سے قریش کی عورتوں میں اس کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا جس پر قریش کے لوگوں نے انہیں مکہ سے نکال دیا لیکن وہ اپنے دین اور عقیدہ پر بڑی مضبوطی سے قائم رہیں۔ ایک اور انصاری صحابیہ امّ عمارۃؓ نے جنگ احد میں مردوں کی طرح ثابت قدمی اور بے باکی کا مظاہر کیا، سعد ابن ربیع کی صاحبزادی امّ سعد نے امّ عمارۃؓ سے ان کے کارناموں کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اُحد کے دن صبح ہی سے مجاہدین کی خدمت کے لئے میدان میں پہنچ گئی تھی ایک موقع ایسا بھی آیا کہ جب لوگ افراتفری میں بھاگنے لگے اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کر آپ ﷺ کے دفاع میں تیر اور تلوار چلانے لگی یہاں تک کہ دشمن کی تلوار کا ایک وار میرے کندھے پر لگا جس کی وجہ سے کندھا زخمی ہو گیا تھا، امّ سعد کہتی ہیں کہ میں نے ان کے کندھے پر بہت سارے زخم کے نشان دیکھے، امّ عمارۃؓ کہتی ہیں کہ تلوار کا یہ وار ابن قمئیہ نے کیا اس نے مسلمانوں کی شکست کو دیکھ کر آپ ﷺ پر حملہ کرنے کے لئے قریب آیا اس وقت میں اور مصعب ابن عمیرؓ اور چند دوسرے اصحاب نے اس کا جم کر مقابلہ کیا، میں نے بھی اس پر بہت وار کئے؛ لیکن وہ دو دو زرہیں پہنا ہوا تھا، اس نیک دل اور بہادر صحابیہ کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دائیں بائیں جس طرف میں نے دیکھا امّ عمارۃؓ کو میری مدافعت میں لڑتے ہوئے پایا، اس دن کی جرأت و ثابت قدمی کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج امّ عمارۃؓ کی ہمت و جرأت اور ثابت قدمی فلاں فلاں سے بہتر رہی ہے (طبقات ابن سعد ۸/۳۱۱۔۳۱۵)

بقیہ: اُف یہ عادت

لہٰذا اس کا علاج کرنے کی ضرورت ہے۔ جب علاج ہو جائے گا تو اس کی حقیقت ہمارے سامنے کھل جائے گی۔ ہم اس کی نہایت اذیت ناک اور زہر ناک کڑواہٹ محسوس کرنے لگیں گے۔ اس مقصد کے لیے اسی آیت مبارکہ کا تصور ذہن میں لے آئیے جسے اوپر ذکر کیا گیا۔ اللہ کے قرآن پر یقین رکھتے ہوئے ہم دوسروں کی غیبت اور برائی بیان کرنے کو اتنا ہی برا اور قابل نفرت سمجھیں جتنا اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کو سمجھتے ہیں۔ ذرا سوچیے! اگر ہم دن بھر میں سو آدمیوں کی غیبت کرتے ہیں اور اسے روزانہ کا معمول بنا لیا ہے تو اتنے لوگوں سے معافی کیسے مانگیں گے۔ اس ضمن میں کتنے لوگ وہ ہیں جو اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ہم چاہیں بھی تو اب ان سے معافی نہیں مانگ سکتے۔ اس بیماری سے جان چھڑانے کے لیے سب سے پہلے تو اپنی زبان پر قابو پایئے۔ اس کو بے دریغ چلنے سے روکیے۔ کسی بھی مسلمان بھائی کی برائی بیان کرنے سے مکمل باز آ جایئے۔ جن کی غیبت کی ہے، ذرا ہمت کر کے ان سے معافی مانگ لیجیے۔ جو اس دنیا سے جا چکے، ان کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے خوب خوب دعا مانگیے۔ ہر وقت یہ سوچیے کہ دوسرا مسلمان بھائی مجھ سے زیادہ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ میرے اندر اس سے زیادہ عیب ہیں۔ بازار کے ماحول میں اس قسم کی آدم خوری کا یہ انتہائی بھیانک دھندا بہت کثرت سے ہوتا ہے۔ آپ اپنی عمومی اور بازاری زندگی میں خود اس سے بچیے، دوسروں کو بچنے کی تلقین کیجیے۔



جوانی ایک عظیم نعمت

غفران ساجد قاسمی

درحقیقت جوانی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے!

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت مشہور قول ہے: در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری!

اسلام نے ایام جوانی کی عبادت کو خوب پسند کیا ہے!

انسان زندگی کے تین مراحل سے گذرتا ہے، بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔بچپن کے دن یقیناً بڑے سہانے اور حسین ہوتے ہیں،جس میں انسان ہرطرح کی ذمہ واریوں سے آزاد بس کھلنڈرانہ سی زندگی گذارتا ہے، ہر بچہ کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ کبھی جوان نہ ہو بس پوری زندگی بچپن کے مزے لیتا رہے، کیوں کہ بچپن ہی وہ حسین پل ہے جب وہ گھر اور خاندان کے ہر فرد کی توجہات کا مرکز بنا رہتا ہے۔گھر اور خاندان میں جو جس قدر چھوٹا ہوتا ہے اس کے لاڈ و پیار اور ناز ونخرے بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں،لیکن یہ ناز ونخرے اور لاڈ و پیار وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ بچپن اور بڑھاپا تقریبا برابر کا زمانہ ہے، کیوں کہ بچپن میں ماں باپ بہن بھائی اور دیگر قریبی رشتہ دار اس کا خیال رکھتے ہیں تو ٹھیک اسی طرح بوڑھاپے میں اس کی اولاد اور اس کے قریبی رشتہ دار اس کے ضعف اور بزرگی کی وجہ سے اس کا خیال رکھتے ہیں۔اس توجہ اور خیال میں فرق ضرور ہے لیکن ایک بات قدر مشترک ہے کہ جس طرح ایک بچہ اپنے بچپن میں اپنے ماں باپ اور بہن بھائی کے پیار اور توجہات کا طالب ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایک بوڑھا انسان بھی اپنے بوڑھاپے میں جب اس کے قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں، وہ اپنے دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے کے لائق نہیں رہتا ہے تو وہ گھر میں اپنی اولاد اور اپنے خاص قریبی رشتہ داروں کی توجہات کا طلب گار رہتا ہے۔اسے بہت زیادہ آرام وآسائش اور زر وزمین کی ہوس نہیں ہوتی ہے البتہ اسے ہوس ہوتی ہے تو صرف اور صرف یہ کہ اس کی اولاد جسے اس نے بڑے ناز ونعم میں پال پوس کر بڑا کیا ہے اور بچپن میں اس کی تمام آسائش وسہولیات کا خیال رکھا ہے آج اس کی اولاد اس کے بوڑھاپے میں اتنا نہیں تو کم از کم دن بھر میں دو چار گھڑی اس کے پاس بیٹھ جائے، اس سے پیار کی دو چار باتیں کرلے یہی اس کے سکون قلب کے لیے کافی ہے۔انسانی زندگی کے ان تین مراحل بچپن، جوانی اور بوڑھاپے میں درحقیقت ''جوانی'' کا مرحلہ سب سے اہم اور ذمہ داریوں سے پر ہے۔جوانی ایک ایسا مرحلہ ہے جس میں اسے بیک وقت دو مرحلوں کی دیکھ ریکھ اور ذمہ داریوں کو سنبھالنا پڑتا ہے۔اگر وہ باپ ہے تو جہاں اسے اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت اور اس کی بہتر تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اٹھانی پڑتی ہے وہیں اسے ایک فرماں بردار بیٹے کی طرح اپنے والدین کی راحت وآرام کا بھی بھرپور خیال رکھنا پڑتا ہے۔گویا کہ جوانی ایک ایسا مرحلہ جوان دونوں مرحلوں کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کا مشکل ترین مرحلہ

ہے۔جوجوان اپنی جوانی میں ان تمام ذمہ داریوں کوبحسن وخوبی انجام دیتاہے وہ اپنا بوڑھاپابھی بڑے آرام وسکون کے ساتھ گذارتاہے،کیوں کہ جوانی کے ایام میں لگایاہوادرخت کا پھل ہی وہ اپنے بوڑھاپے کے زمانے میں کھاتاہے ۔درحقیقت جوانی اللہ تعالیٰ کی عطاکی ہوئی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہےجس کاشکرتمام جوانوں پرواجب ہے۔اسلام نے ایام جوانی کی عبادت کوخوب پسندکیاہے بلکہ اگردیکھاجائے تو اسلام نے زیادہ ترجوانوں کوہی مخاطب کیاہے،بچوں اوربوڑھوں کوبراہ راست مخاطب نہیں بنایا گیاہے کیوں کہ بچےتومکلف ہی نہیں ہیں اوربوڑھےاپنے آخری ایام میں صرف اکرام واعزازکے مستحق ہوتے ہیں جونہیں جوان ہی دے سکتے ہیں۔جوانوں کے سلسلہ میں بہت ساری احادیث مروی ہیں جن میں ان کے نیک عمل اوراس پرمرتب ہونے والے اجروثواب کی بشارت ہے۔ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جوان کے بارے میں جس نے اپنی جوانی کے ایام کواللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں گذاراہوفرمایا کہ قیامت کے دن جب ہرشخص پرنفسی نفسی کاعالم طاری ہوگا،کسی کوقیامت کے روزکی تمازت سے بچنے کے لیے سایہ مہیانہیں ہوگااس دن جن چندلوگوں کواللہ تعالیٰ کا خاص سایہ حاصل ہوگا ان میں ایساجوان بھی شامل ہوگاجس نے اپنی پوری زندگی اللہ کی اطاعت وفرماں برداری اوراس کی عبادت میں گذاراہو۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کاارشادہے:

”سبعة یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لاظل الاظلہ امام عادل،وشاب نشا فی عبادة اللہ،ورجل قلبه معلق بالمساجد،ورجلان تحابافی اللہ اجتمعاعلیه وتفرقاعلیه،ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لاتعلم شماله ماتنفق بیمینه،ورجل ذکراللہ خالیاففاضت عیناہ۔(متفق علیه)

ترجمہ:قیامت کے دن سات طرح کے انسان کو اللہ کاسایہ حاصل ہوگاجس دن سوائے اللہ کے سایہ کے کسی اورطرح کاکوئی سایہ نہ ہوگا،ان میں سے امام عادل،ایسانوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گذاری،ایساشخص جس کا دل ہروقت مسجدمیں معلق رہتاہو،دوایسے انسان جوآپس میں ایک دوسرے سے محبت اورنفرت صرف اللہ کے لیےکرتے ہیں،اورایساشخص جسےکسی خوبصورت اور باحیثیت عورت نے گناہ کی دعوت دی ہواوراس نے کہاہوکہ میں اللہ سے ڈرتاہوں،اورایساشخص جواتنی رازداری سےصدقہ کرتاہوکہ بائیں ہاتھ کوبھی خبرنہ ہوسکے کہ دائیں ہاتھ سے کچھ دیاہے اور ایساشخص کہ جب بھی اللہ کاذکرکرے تواس کی آنکھیں بھرآئیں۔اس حدیث سے صاف معلوم ہوتاہے کہ جوانی کے دنوں میں کی گئی عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کوکتنی پسندہے۔بچپن میں توانسان مکلف نہیں ہوتاہےاورنہ ہی گناہ کےاسباب وعوامل ہوتے ہیں،بڑھاپے میں انسان کے قویٰ کمزورہوجاتے ہیں اور وہ بہت سارے گناہوں پرقادرنہیں ہوتے ایسے میں گناہ نہ کرنااورمسجدمیں بیٹھ کراللہ اللہ کرنا کوئی بہت بڑاکمال نہیں ہے،بلکہ کمال تو یہ ہے کہ انسان جوان ہو،تندرست وتواناہواورگناہ کے اسباب وعوامل بھی موجودہوں پھراس کے باوجودبھی وہ گناہوں سے محفوظ رہے،اس لیےنہیں کہ اس کے اندرگناہ کرنے کی طاقت نہیں تھی یا گناہ پرقادرنہیں تھابلکہ وہ گناہوں سےاس لیےمحفوظ رہاکہ اسےصرف اورصرف اللہ کا خوف تھا،سارے اسباب وعوامل موجودہونے کے باوجودوہ گناہوں کی جانب راغب نہیں ہوااوراپنی جوانی کے ایام کوصرف اورصرف اللہ کی اطاعت وفرماں برداری اور اسی کی عبادت میں گذاراایساجوان قیامت کے دن اللہ کےعرش کے سایہ میں ہوگا۔شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کابہت مشہورقول ہے:درجوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری۔ یقیناجوانی میں پرہیزگاری اورتقویٰ کی زندگی گذارنا پیغمبروں کاطریقہ ہے اور بہت بڑاکمال ہے،یہی وجہ ہے کہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ جیسےمفکرنے جوانی کے دنوں میں توبہ کرنے کو پیغمبروں کاشیوہ اور طریقہ بتایاہے۔جوانی ایک ایسامرحلہ ہوتاہے جہاں انسان کے بھٹکنے اورگناہوں کی طرف مائل ہونے کے ہزارراستے ہوتے ہیں،جن میں آج کاتباہ شدہ ماحول اورغلط قسم کے دوستوں کی صحبت کا بھی بہت اہم کردارہے،لیکن اگرکوئی جوان گناہ

مسلم نوجوان کے ہیرواورآئیڈیل بننے کی صلاحیت صرف

اورصرف ایک ہستی میں ہےاوروہ ہے

آقائے نامدارنبی آخرالزماں محمدرسول ﷺ

کے تمام اسباب وعوامل کے باوجود تقویٰ کی صفت سے متصف ہوجاتا ہے تو یقیناوہ پیغمبروں کے طریقہ پر چلنے والا بن جاتا ہے اور ایسے ہی نوجوان کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوگا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کا معاشرہ اخلاقی اعتبارسے بالکل تباہ وبرباد ہوچکا ہے،گلی کوچے میں گناہ کے اسباب مہیاہیں،اتناہی نہیں معاشرہ میں اس قدرانارکی پھیل چکی ہے کہ وہ تمام برائیاں جومحلوں اورگاؤں سے دورشہروں میں ہواکرتی تھی اب وہ کھلے عام گاؤں اورمحلوں میں ہونے لگی ہیں جس کے اثرات سے مسلم گھرانے بھی محفوظ نہیں ہیں،ایسے میں ایک جوان اپنی زندگی کس طرح گذارے؟وہ کسے اپنا آئیڈیل اور ہیروتسلیم کرے؟افسوس کی بات یہ ہے کہ دین سے دوری اوردینی تعلیم سے ناواقفیت کی بناپر ہمارے مسلم نوجوان نے بھی اپنا آئیڈیل فلموں میں ناچنے اورگانے والوں کو بنالیا ہے جسے عرف عام میں ہیروکہاجاتا ہے،ہاں وہ ہیروضرورہیں لیکن مسلم نوجوان کے نہیں بلکہ ناچنے اورگانے والے سماج کے ہیرو ہوسکتے ہیں جنہیں مسلم نوجوانوں کوکبھی بھی اپنا آئیڈیل یاہیرونہیں بناناچاہئے بلکہ مسلم نوجوان کے ہیرواورآئیڈیل بننے کی صلاحیت صرف اورصرف ایک ہستی میں ہے اوروہ ہے آقائے نامدار نبی آخرالزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔جس طرح آپ کا بچپن معصومیت سے پر ہے اسی طرح آپ کی جوانی بھی بے داغ اورصاف شفاف ہے،آپ کی جوانی میں تقویٰ پرہیزگاری اورصدق وصفا کا یہ حال تھا کہ مشرکین مکہ اور کفارمکہ نے آپ کوجوانی میں ہی صادق اور امین جیسالقب عطا کیااور چہ جائے کہ بحیثیت نبی وہ آپ کی شکل تک دیکھنا گوارہ نہیں کرتے تھے لیکن جب صداقت وامانت اورمتقی نوجوان کا تذکرہ ہوتا تو ہرایک کافراورمشرک کی زبان پرایک ہی نام ہوتا''محمد''(صلی اللہ علیہ وسلم)۔جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پوری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ہے وہیں جوانوں کے لیے بھی اپنے ایام جوانی گذارنے کا بہترین نقش ملتا ہے۔جوانی جوکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے،چاہیے کہ اس عظیم نعمت کی قدرکریں اور اس کواسی طرح گذاریں جس طرح کہ اللہ کے رسول ﷺ نے گذارا ہے یا انہوں نے گذارنے کی تلقین فرمائی ہے تبھی جوان اس درجہ کو پہونچ پائیں گے جس کی بشارت مخبرصادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے یعنی قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سایہ کی حصول پایں۔اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جوانوں کوبرائی اورگناہ سے دوررہنے کا بڑااچھانسخہ تجویز کیاہے جواپنی مالی تنگی کی وجہ سے شادی جیسی سنت کوادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جوانوں کی جماعت!تم میں سے جوشخص شادی کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ شادی کرلے،کیوں کہ شادی کے ذریعہ نگاہیں نیچی رہتی ہیں اورشرم گاہوں کی حفاظت ہوتی ہے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہواسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے یہ اس کی حفاظت کے لیے بہترہے۔ یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج،ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (متفق علیہ) جس جوانی کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے اتنی عمدہ بشارت سنائی ہے آخروہ محفوظ جوانی کس طرح حاصل ہوسکتی ہے،اس کی عمدہ مثال خودہمیں اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ملتی ہے،آیئے ذرااللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام جوانی پرایک طائرانہ نظرڈالیں اوراس کی روشنی میں اپنی جوانی گذارنے کی کوشش کریں۔اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوجامع الکمالات بنایا تھا،ان کمالات میں سے ایک بڑاکمال یہ تھا کہ جوانی میں ہی آپ نے اپنی صلاحیتوں اورخوبیوں کا ایسی زبانوں سے اعتراف کروالیاجنہوں نے آپ کونبی کی حیثیت سے توقبول نہیں کیالیکن نبوت کے علاوہ اگرکسی انسانی خوبی وکمال کا تذکرہ ہوتاتوسب کی زبان سے ایک ہی نام نکلتااوروہ نام نامی اسم گرامی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا۔نبوت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے درمیان عمرعزیزکے چالیس سال گذارے،اورچالیس سال کا طویل عرصہ کسی بھی نوجوان کی زندگی کوسمجھنے کے لیے بہت ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

آپ ﷺ کی جوانی کی زندگی میں آج کے جوان کوجونقوش ملتے ہیں ان میں بنیادی اوربہت گہرانقش تویہ ہے کہ آج کاجوان اپنی جوانی میں سچائی،دیانت داری اورشرافت کا پیکر بن جائے

حیات مبارکہ کے اس چالیس سالہ دور کا ہر رخ اور ہر تصویر آپ کی قوم کی نظروں کے سامنے بالکل صاف وشفاف تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ چالیس سالہ زندگی، سچائی، دیانت اور خدمت خلق جیسے اعلیٰ اوصاف سے بھرپور ہے جس کی بنیاد پر دشمنوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کے لقب سے پکارا، جب آپ ﷺ کو نبوت ملی تو آپ ﷺ نے اپنی سچائی کے ثبوت میں اپنی اسی چالیس سالہ زندگی کو پیش فرمایا، آپ ﷺ کی جان کے دشمن آپ ﷺ کے دین اور دعوت کے دشمن کو بھی اس بات کی جرأت نہ ہوسکی کہ آپ ﷺ کی سابقہ زندگی پر انگلی اٹھا سکے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بڑا معجزہ جوانی کی حالت میں پاکیزہ زندگی گذارنا ہے، ایسی صاف ستھری اور اخلاق سے آراستہ زندگی جس کے دوست ودشمن سب ہی معترف ہیں۔ دشمنوں کو نبوت پر انگلی اٹھانے کی ہمت تو ہوئی لیکن مجال ہے کہ کسی نے کردار پر انگلی اٹھانے کی ادنیٰ سی جرأت بھی کی ہو، ابوجہل جیسا کٹر دشمن بھی آپ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے ہر ایک لفظ کو سچ اور حق مانتا تھا، یہ آپ کی پاک وصاف جوانی کی وجہ سے ہی تھا۔ آپ کے چچا ابوطالب کے الفاظ ہیں کہ میں نے اپنے بھتیجے کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا اور کبھی گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ سبحان اللہ آج ہمارے معاشرہ کا عالم یہ ہے کہ نوجوانوں کے زیادہ ترعیوب ان کے رشتہ داروں کو معلوم ہوتے ہیں، بڑے بزرگ ان کے عیوب پر مطلع ہونے کی وجہ سے انہیں کسی قسم کی معاشرتی ذمہ داری سونپنے سے ہچکچاتے ہیں، اور ہر وقت ان کی بے ہودہ حرکتوں کی وجہ سے خاندان کی بدنامی کا خوف ان کو ستائے رہتا ہے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے داغ جوانی کی گواہی خود ان کے خاندان کے بزرگ ابوطالب دے رہے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے علی رضی اللہ عنہ کو ان کی سرپرستی میں دے دیا تھا۔ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوانی کے دنوں میں معاشرتی طور پر بڑی ذمہ داریاں انجام دیں، جن میں سے حجر اسود کی تنصیب کا اہم واقعہ بھی ہے۔ ایک بار مکہ میں بارش کی وجہ سے سیلاب آگیا اور کعبہ کا کچھ حصہ گر گیا، مختلف قبیلوں نے مل کر دوبارہ تعمیر کیا، جب حجر اسود لگانے کا وقت آیا تو ہر کسی کی خواہش تھی کہ اس اہم کام کو وہ خود اپنے ہاتھوں سے انجام دے، یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں فساد کا خطرہ تھا، طے ہوا کہ جو سب سے پہلے کل صبح بیت اللہ میں داخل ہوگا وہی حجر اسود کو نصب کرنے کا حق دار ہوگا۔ سب نے بیت اللہ میں پہلے پہنچنے کی کوشش کی، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے موجود تھے، آپ نے ایسی تدبیر نکالی کہ سب عش عش کر اٹھے اور آپ کی اس حسن تدبیر کو خوب پسند کیا، آپ نے ایک چادر منگائی اور اس چادر میں حجر اسود کو رکھا، اور پھر ہر قبیلہ کے سردار سے کہا کہ وہ چادر کے سرے کو پکڑ کر اٹھائے اس طرح جب حجر اسود کے مقام پر پہونچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن تدبیر کے ذریعہ ایک بڑے فساد سے اہل مکہ کو بچالیا۔

جوانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبت ورحمت کی اپنی مثال آپ تھے، کسی کی تکلیف دیکھ کر فوراً امداد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے، ایک بڑھیا کو دیکھا، بوجھ اٹھائے جارہی تھی، کمر بوجھ تلے جھکی جارہی تھی، پتھر دل لوگ ہنس رہے تھے، آپ نے آگے بڑھ کر بڑھیا کا بوجھ اپنے کندھے پر رکھا اور لوگوں سے کہا ایک کمزور بڑھیا کا مذاق اڑانا جوانی کا شیوہ نہیں، بلکہ مردانگی اور جوانی یہ ہے کہ اس کا بوجھ ہلکا کرو اور اس کی مدد کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم وتکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔ (رواہ الترمذی) ایام جوانی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت کا کافی حصہ بوڑھوں، بیماروں اور معذور لوگوں کی دیکھ بھال میں صرف فرماتے تھے۔ ان کے چھوٹے بڑے کام کرتے، ایک دن ایک قریشی سردار نے کہا کتنی شرم کی بات ہے کہ تم اپنے خاندان کو بٹہ لگاتے ہو، تم اونچے گھرانے کے چشم وچراغ ہو اور اس طرح غریبوں کے کام کرتے ہو۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: بے شک میرے پردادا ہاشم قریش کے سردار تھے، مگر وہ بھی سب کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیموں سے بڑی محبت تھی، ایک بچے کو کمزور و بے لباس دیکھا، اس سے وجہ پوچھی وہ رو پڑا اور بھوک کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے، آپ لڑکے کو گھر لے گئے کھانا کھلایا اور کپڑے پہنائے۔ جوانی میں معاشرتی اور خاندانی ذمہ

داریاں پیش آئیں تو تجارت کو ذریعہ معاش بنایا، تجارت کی کامیابی کا علم مکہ کی مالدار خاتون بی بی خدیجہ کو ہوا تو اپنے کارندوں کے ذریعہ شام کے سفرتجارت پر بھیجا اور اپنے معتبر غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دیانت داری اور محنت سے کام کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو توقع سے زیادہ منافع ہوا۔میسرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی، آپ کی خوبیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت کے بارے میں حضرت خدیجہ کو بتایا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کا پیغام بھیجا۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ رسال تھی اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ رسال تھی۔حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صورت میں ایک نیک اور خدمت گذار بیوی ملی، ان کے ہمراہ بڑی پرسکون اور خوش گوار زندگی گذاری۔ان سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں، بیٹے چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے، باقی چاروں بیٹیوں کی شادیاں ہوئیں۔کامیاب جوانی کی زندگی میں ایک کامیاب انسان، ایک کامیاب باپ، خاوند اور پھر کامیاب تاجر کی زندگی گذاری، یہاں تک کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔یقیناً جوانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، جسے گذارنے کا صحیح طریقہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہی ملتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کی زندگی میں آج کے جوان کو جو نقوش ملتے ہیں ان میں بنیادی اور بہت گہرا نقش تو یہ ہے کہ آج کا جوان اپنی جوانی میں سچائی، دیانت داری اور شرافت کا پیکر بن جائے اور اس کی خوبیوں کے معترف سب سے پہلے اس کے گھر والے ہوں جن کے درمیان وہ اپنا دن ورات گذارتا ہے۔پھر اس کے رشتہ دار اس کی خوبیوں کے معترف ہوں اور آج کے نوجوان پر جب معاشی ذمہ داریاں آجائیں تو یہ کامیابی سے ان ذمہ داریوں کو نبھائے اور یہی خوبیاں اس قدر کمال کی ہوں کہ وہی اس کی شادی کا سبب بن جائیں، اور اس کے بعد خاوند اور پھر باپ بننے کے بعد اپنی پوری زندگی میں ہر مرحلہ کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے رہنمائی حاصل کرتا رہے۔کیوں کہ حیات طیبہ صرف جوانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے اسوہ حسنہ ہے، قیمتی سرمایۂ حیات ہے۔حیات طیبہ کے نقش میں ہی زندگی گذارنا ہم مسلمانوں کا فریضہ ہے اسی میں کامیابی و کامرانی ہے۔وباللہ التوفیق وھوالمستعان

بقیہ: نیند تو آئی مگر خواب کے تحفے نہ ملے!

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم اِن وارننگوں سے درسِ عبرت حاصل کریں، تاکہ حالتِ بیداری میں عمل ممکن ہو! ایک خواب کی شکل میں اس مدت کو گذارنے سے یا صرف تمنائیں کرتے رہنے سے ہماری ابدی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔کہیں ہمیں پچھتانا نہ پڑے کہ

نیند تو آئی مگر خواب کے تحفے نہ ملے
کھل گئی آنکھ تو پھر نیند کے لمحے نہ ملے

جنت کے اِن دو مسافروں نے زمین پر اپنے استقبال کے ساتھ جن جن نعمتوں کو موجود پایا اُن کا تذکرہ نہ کسی قلم کے بس میں ہے نہ کسی ذہن کے احاطۂ سوچ میں سما سکتا ہے۔پوری زندگی ختم ہو جائے گی اور ہم اِن نعمتوں کے ذکر کا اختتام کرنے سے قاصر ہی رہیں گے۔اس مقام پر ہمیں سورۂ اِبراہیم کی ترتالیسویں آیت پڑھے بغیر چارہ نہیں رہے گا، جس میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:"اور (آدم کے بیٹو! تمہارے رب نے) تمہارے لئے ہر وہ شئے فراہم کر رکھی ہے جس کی تمہاری فطرت سوالی ہو سکتی تھی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو (تھک جاؤ گے لیکن اُس کی نا قابلِ تصور نعمتوں کا) شمار نہیں کر سکو گے۔ بلاشبہ (بڑا عجیب واقع ہوا ہے) اِنسان کہ ناشکری کی روش سے نقصان بھی اُٹھاتا ہے اور خود ہی ظالم بن جاتا ہے۔" بہر کیف، جو فردوسی جوڑا جنت سے یہاں آیا تھا اُسے دوبارہ کامیاب ہو کر اپنے اصلی مقام کا حقدار اور اہل بننا ہے۔آدم کے بیٹوں میں ہے کوئی اپنی کھوئی ہوئی متاع کی جستجو کا آرزومند؟

جب اپنے پاؤں جلتے ہیں!

افسوس کہ زمین کی تپش صرف اس وقت محسوس ہوتی ہے جب اپنے پاؤں جلتے ہیں۔ہم نے دوسروں کے لیے دوزخ بھڑکاتے ہوئے کبھی نہیں سوچا کہ وہ کس عذاب سے گزر رہے ہیں.

.رویے دوطرفہ ہوتے ہیں، ان میں مٹھاس اتنی ہی ہوتی ہے جتنا آپ میٹھا ڈالتے ہیں

..۔منافقت اور ریاکاری سے خاموشی بہت بہتر ہوتی ہے۔

مولانا سید احمد ومیض ندوی

بدنگاہی کا فتنہ

بدنگاہی سے میلان، پھر میلان سے محبت اور محبت سے عشق پیدا ہوجاتا ہے اور ناجائز عشق سے دنیا وآخرت تباہ ہوجاتی ہے۔

آنکھیں اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں، جس کے بغیر انسان کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے، بصارت سے محروم انسان کے لیے دنیا اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوجود تاریک ہے، چھوٹی سی آنکھوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے بینائی کی وہ عظیم طاقت رکھی ہے جس سے ساری دنیا روشن ہوجاتی ہے، آنکھوں کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر نعمتِ بینائی سے سے محروم بندہ کو اس کے عوض میں جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے، بشرطیکہ وہ اس پر صبر کرے۔ جسم انسانی، خدائی تخلیق کا عظیم شاہکار ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کو بے شمار نعمتوں سے آرستہ فرمایا ہے، زبان کی قوتِ گویائی، کان کی تاثیر سماعت، سوچنے اور سمجھنے والے دل ودماغ سب اللہ کی بے مثال نعمتیں ہیں اور نعمتوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے ''شکر'' کا ضابطہ مقرر فرمایا ہے، جو جتنی بڑی نعمت ہوگی اس کے شکر کی ذمہ داری بھی اتنی ہی اہم ہے، مختلف اعضاء کی شکل میں عطا کردہ نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ ان اعضاء کا غلط استعمال نہ کیا جائے، جن موقعوں پر انہیں استعمال کرنے سے روکا گیا ہے رکا جائے، مثلاً زبان خدا کی عظیم نعمت ہے، اس کا شکر یہ ہے کہ اسے غیبت، چغل خوری، گالی گلوج اور ہر قسم کی فحش گوئی سے محفوظ رکھا جائے، فضول باتوں سے احتراز کیا جائے، اسی طرح کان اور ان سے حاصل ہونے والی قوتِ سماعت بھی خدا کا عظیم عطیہ ہے، اس کا شکر یہ ہے کہ کانوں کو غلط چیزوں کے سننے سے بچایا جائے، یہی حال آنکھوں کا ہے، آنکھیں نعمتِ بے بدل ہیں، بینائی کی قدر وہ لوگ جانتے ہیں جو اس سے محروم ہیں، اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ غلط مقامات پر اس کا استعمال نہ کیا جائے اور بدنگاہی نہ کی جائے۔ انسانی جسم میں ''دل'' کو بادشاہ کا درجہ حاصل ہے، دل ہی پر سارے اعضاء کے بگاڑ یا اصلاح کا انحصار ہے، یہ بات دینی اعتبار سے بھی درست ہے اور دنیوی لحاظ سے بھی، ظاہری طور پر بھی جسم انسانی کی صحت کا دارومدار دل کی درستگی پر ہے دل کے متاثر ہونے سے سارا جسم متاثر ہوتا ہے، سارے اعضاء درست ہوں لیکن دل اپنا کام چھوڑ دے تو انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں، یہ بات جسمانی صحت کے اعتبار سے جتنی درست ہے اس سے کہیں زیادہ باطنی اور روحانی اعتبار سے مبنی برحقیقت ہے کہ دل اگر امراض باطنی کا شکار ہو جائے، سارے اعضاء بگڑ جائیں گے، زبانِ نبوت امیں اس حقیقت کی ترجمانی یوں کی گئی ہے ''سن لو انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ خراب ہوجائے تو سارا جسم بیمار اور خراب ہو جاتا ہے اور یہ لوتھڑا دل ہے۔ (مسند احمد) اس لیے کتاب وسنت میں دل کی طہارت و پاکیزگی پر کافی زور دیا گیا ہے اور اخروی کامیابی کو دل کی پاکیزگی پر موقوف کیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: '' کامیاب ہوا جس نے نفس کو پاک کیا اور ناکام ہوا جس نے اس کو آلودہ کیا۔ (الشمس) انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد تزکیہ نفس اور پاکیزگی قلب قرار دیا گیا۔

ارشادِ ربانی ہے: اور وہ (نبی) ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔(آل عمران) قیامت کے دن خدا کے عذاب سے نجات وہی لوگ پاسکیں گے جو کفر وشرک اور ہرطرح کی روحانی گندگیوں سے پاک دل لے کر حاضر ہوں گے۔(الشعرائ) قرآن مجید میں ہرجگہ دل کی طرف بیماری اور صحت مندی کی نسبت کی گئی ہے۔دل جس کے صلاح وبگاڑ پر انسانی زندگی کے صلاح وفساد کا انحصار ہے،اس کے تین دروازے ہیں، انھی تین دروازوں سے دل میں اچھی یا بری باتیں راسخ ہو جاتی ہیں، وہ تین دروازے آنکھ،کان، زبان ہیں،آدمی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے دل اس طرف مائل ہوتا ہے، اسی طرح کانوں سے جوسنتا ہے وہی دل میں بیٹھ جاتا ہے، یا زبان سے جو کچھ بولتا رہتا ہے دل اسے قبول کرتا ہے،ان تین دروازوں کے ذریعہ اگر دل تک گناہ کی چیزیں پہنچنے لگتی ہیں تو دل آلودہ ہونے لگتا ہے، چنانچہ ارشادِ نبوی اہے جب کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، اگر اس نے توبہ کرلی اور گناہ سے باز آ گیا اور استغفار کیا تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر وہ گناہ کیا تو وہ سیاہ نکتہ اس کے دل پر پھیل جاتا ہے، یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:’’ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دل زنگ آلود ہو گئے ہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں‘‘۔ (المطففین) دل کو روحانی غلاظتوں سے پاک رکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کے دروازوں سے کوئی غلط چیز اس تک نہ پہنچائی جائے اور آنکھ کان اور زبان کا غلط استعمال نہ کیا جائے، گو کہ ان تینوں راستوں سے دل آلودہ ہوتا ہے، تاہم ان میں سب سے بڑا راستہ آنکھ کا ہے، جس کا اثر دل فوری قبول کرتا ہے، انسان جو کچھ دیکھتا ہے دل میں وہی سماجاتا ہے، آنکھ اور دل کے اس تعلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں ’’نگاہ دل کو خبر دینے کی جاسوس ہے، جو دیکھی ہوئی خبریں دل کی طرف نقل کرتی رہتی ہے، چوں کہ نگاہ کی آزادی دل میں فتنوں کو جنم دیتی ہے، اس لیے شریعت نے ان کاموں میں جو گناہ کا سبب بنیں ان سے نگاہ کی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔(ذم الھویٰ لابن الجوزیؒ) اس لیے شریعت میں حفاظتِ نگاہ کی سخت تاکید کی گئی ہے اور بدنگاہی سے روکا گیا ہے، نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم کرتے ہوئے ایک جگہ فرمایا گیا۔اے نبی! آپ مؤمن مردوں سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔(النور) شرمگاہوں کی حفاظت کو نگاہیں نیچی رکھنے پر موقوف کیا جارہا ہے، نیز ارشاد ہے:’’اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے‘‘(بنی اسرائیل) اس جگہ زنا کے قریب جانے کو بھی حرام فرما کر یہ بتادیا گیا کہ جو اسباب زنا سے قریب کرنے والے ہیں ان سے بھی بچو اور ان میں نگاہ اہم سبب ہے، ایک اور مقام پر آنکھ، کان اور دل کے غلط استعمال پر مواخذہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا’’بیشک کان، آنکھ اور دل ہر ایک شخص سے ان کے افعال کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی‘‘ (بنی اسرائیل) احادیث میں بھی حفاظتِ نظر کی سخت تاکید کی گئی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ انے فرمایا: راستہ پر بیٹھنے سے اجتناب کرو اور اگر بیٹھنا ہی ہو تو راستہ کا حق ادا کرو‘ صحابہ ص نے عرض کیا یا رسول اللہ ا راستہ کا کیا حق ہے؟ آپ انے فرمایا: نظریں نیچی رکھنا، کسی کو ایذا نہ دینا، سلام کا جواب دینا (ذم الھویٰ لابن جوزیؒ) نیز آپ انے فرمایا: آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نامحرموں کو دیکھنا ہے۔ (مسلم) حضرت علی سے مخاطب ہو کر فرمایا ’’اے علی! نامحرم کو ایک بار اچانک دیکھنے کے بعد دوبارہ قصداً مت دیکھو، کیوں کہ نظر زہر آلود تیر ہے، جو دل میں شہوت کو بھڑکاتا ہے‘‘ (حوالہ سابق) نیز حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مرد کا عورت کے محاسن کو دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔(حوالہ سابق) حضرت جریرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ اچانک نظر کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا: اپنی نگاہ پھیرلو۔ (مسلم) بدنگاہی کے انھی مہلک اثرات کے پیشِ نظر اکابرِ امت اور علماءِ ملت حفاظت نظر کا غیر معمولی اہتمام کیا کرتے تھے، حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ربیع بن خثیم اپنی آنکھیں بند رکھتے تھے، ایک مرتبہ ان کے پاس سے چند عورتیں گزریں، تو انھوں نے اسی طرح اپنی آنکھیں بند کرلیں، تو عورتوں نے یہ سمجھا کہ یہ نابینا ہیں اور وہ اندھے پن سے پناہ مانگنے لگیں۔(ذم الھویٰ لابن جوزیؒ) حضرت حسان بن ابوسفیانؒ ایک مرتبہ عید کے روز باہر چلے گئے جب گھر واپس ہوئے تو ان کی اہلیہ نے پوچھا: آج آپ نے کتنی حسین عورتیں دیکھیں؟ جب اس نے بار بار یہی سوال کیا تو آپؒ نے فرمایا: تیرا ناس ہو، میں جب سے تیرے پاس سے گیا ہوں واپس لوٹنے تک اپنے انگوٹھے ہی کو دیکھتا رہا۔(حوالہ سابق) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: جس نے اپنی نظر کو بے لگام چھوڑا،

اس کے غم طویل ہوگئے۔(حوالہ سابق) حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: زنا کی ابتداء نظر ہی سے ہوتی ہے، اس لیے نظر کی حفاظت بھی اہم ہے، اس لیے کہ نظر دل میں تخم شہوت بوتی ہے۔(احیاء علوم) چوں کہ بدنگاہی کا اثر براہِ راست دل پر پڑتا ہے، اس لیے بدنگاہی کا مریض سب سے پہلے عبادت کی حلاوت سے محروم کردیا جاتا ہے، اس کے برخلاف نگاہ کی حفاظت سے ایمان کی حلاوت اور لذت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: نگاہوں کی حفاظت سے تین فائدہ حاصل ہوتے ہیں (۱) ایمان کی حلاوت ولذت حاصل ہوتی ہے (۲) قلب کا نور اور فراست حاصل ہوتی ہے (۳) قلب کو تقویت اور مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔(اغاثۃ اللھفان من مصائد الشیطان) بدنگاہی کے جو دینی نقصانات ہیں وہ تو اپنی جگہ مسلم ہیں، اس کے دنیوی اور جسمانی نقصانات بھی انتہائی تباہ کن ہیں، چنانچہ یورپ کا ماہر ڈاکٹر نکلسن ڈیوز اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے، نگاہیں جس جگہ جاتی ہیں وہیں جمتی ہیں، پھر ان کا اچھا یا برا اثر اعصاب، دماغ اور ہارمونز پر پڑتا ہے، بیوی، بہن اور ماں کے علاوہ کسی عورت کو دیکھنے سے ہارمونزی سسٹم کے اندر جو خرابی میں نے دیکھی ہے شاید ہی کوئی دیکھ سکے، کیوں کہ ان نگاہوں کا اثر زہریلی رطوبت کا باعث بن جاتا ہے اور وہ ہارمونزی گلینڈ ایسی تیز زہریلی رطوبتیں خارج کرتے ہیں جس سے تمام جسم درہم برہم ہو جاتا ہے۔کوئی انتہائی غریب شخص کسی انتہائی امیر آدمی کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر حسد کی وجہ سے ہارمونز کی ایسی رطوبت پیدا ہوتی ہے جس سے اس کا دل اور اعصاب متاثر رہتے ہیں، میرا تجربہ ہے کہ ایسی خطرناک پوزیشن سے بچنے کے لیے صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کا سہارا لینا ہوگا۔

ڈاکٹر نکلسن ڈیوز کے تاثرات نقل کرنے کے بعد طارق محمود چغتائی لکھتے ہیں: واقعی تجربات کے لحاظ سے یہ بات واضح ہے کہ نگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے انسان ایسے ڈپریشن، بے چینی اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے جس کا علاج ناممکن ہے، کیوں کہ نگاہیں انسان کے خیالات اور جذبات کو منتشر کرتی ہیں۔ایک صاحب فرمانے لگے، میں صرف تین دن نگاہوں کو غیر محرمات اور خوبصورت عمارتوں اور موٹروں میں لگائے رکھتا ہوں تو صرف تین دن کے بعد میں جسم میں درد، تھکان اور بے چینی محسوس کرتا ہوں، میرے عضلات کھنچ جاتے ہیں، دماغ بوجھل بوجھل، ہاتھ پاؤں میں کمزوری آجاتی ہے۔ (سنتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس: ۲۲۹، ۲۳۰) بدنگاہی چوں کہ زنا کا پیش خیمہ ہوتی ہے، اس لیے شریعت نے بدنگاہی کے سارے راستے بند کردیے ہیں، اوّل تو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، پھر یہ کہ عورتوں کو بے پردہ باہر نکلنے سے منع کیا ہے، اسی طرح اجنبی مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے بھی سخت منع کیا گیا ہے، بدنگاہی کے جتنے سنگین اثرات ہیں آج ہم اتنا ہی اس مرض میں مبتلا ہیں، کتنے مسلمان ایسے ہیں جو گھروں میں چوبیس گھنٹے ٹی وی کے سامنے گزار کر نگاہ کا غلط استعمال کرتے رہتے ہیں، ایک طرف وہ ٹی وی کا بھی اہتمام کرتے ہیں، دوسری طرف نمازیں بھی ادا کرتے ہیں، جب کہ بدنگاہی سے عبادت کی حلاوت ختم ہو جاتی ہے، نمازوں سے خشوع وخضوع کے اٹھ جانے کا ایک اہم سبب بدنگاہی ہے، جو ٹی وی اور فلم بینی اور بازاروں میں فلموں کے عریاں اشتہارات کا نظارہ کرنے کی شکل میں ہورہی ہے، ٹی وی کا رواج تو اب اس قدر عام ہوگیا ہے کہ دیندار طبقہ بھی اسے رکھنے میں کسی قسم کی قباحت محسوس نہیں کرتا، موجودہ ماحول میں بدنگاہی سے بچنا اسی کے لیے ممکن ہے جس کے اندر خوفِ خدا اور اخروی نقصان کا احساس ہو، ورنہ اب عریانیت اور بے پردگی اس قدر عام ہے کہ گھر سے باہر قدم رکھتے ہی آدمی کی نگاہ عریاں تصویروں پر پڑتی ہے، راستوں پر جگہ جگہ تصاویر ہوتی ہیں، بازاروں اور دکانوں، حتیٰ کہ ہوٹلوں میں بھی اب ٹی وی آویزاں کی جانے لگی ہے، اسی طرح مختلف قسم کی اشیاء خوردونوش کے پیکٹس پر بھی عورتوں کی تصاویر دکھائی دینے لگی ہیں، ایسے قیامت خیز ماحول میں نگاہوں کی حفاظت انتہائی ضروری ہے، بدنگاہی کے ساتھ خشوع خضوع ناممکن ہے اور خشوع وخضوع کے بغیر عبادات رد کردی جاتی ہیں پھر ہماری دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟ ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ابرارالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نگاہ کی حفاظت پر بہت زور دیا کرتے تھے، انہوں نے عرضِ احقر برائے حفاظتِ نظر کے عنوان سے بدنگاہی سے بچنے کی کچھ عملی تدابیر لکھی ہیں، جو عوام وخواص ہر ایک کے لیے مفید ہیں، مولانا لکھتے ہیں: بدنگاہی کے مضرات اس قدر ہیں کہ بسا اوقات ان سے دنیا اور دین دونوں تباہ وبرباد ہیں، آج کل اس مرضِ روحانی میں مبتلا ہونے کے اسباب بہت زیادہ پھیلتے جارہے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعض مضرات اور اس سے بقیہ: صفحہ (52) پر

مزاح اور خوش طبعی اسلام کی نظر میں



اسلام ایک کامل وکمل دین ہے۔ جو دنیائے انسانیت کے لئے خالق کائنات کا ایک حسین تحفہ اور بے مثال نذرانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنفس نفیس اس کے احکام وقوانین وضع فرمائے ہیں۔ اور یہ احکام و قوانین عین انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور موافق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق انسانیت ہے۔ اسی نے انسانی فطرت اور مزاج تخلیق فرمایا ہے۔ لہٰذا اس سے زیادہ انسان کا مزاج شناش اور فطرت شناش اور کون ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اسلامی احکام اور قوانین میں جو انسانی مزاج اور فطرت کی رعایت نظر آتی ہے۔ بلاشک و شبہ اس کی نظیر اور مثال دنیائے انسانیت کے کسی قانون اور دستور میں دستیاب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود ساختہ انسانی قوانین کا ردوبدل اور ترمیم وتنسیخ کے بھینٹ چڑھنا ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ بنا ہوا ہے مگر قوانین اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی بلکہ وہ ہر ملک کے باسی اور ہر صدی کے پیدائشی انسان کے مزاج اور فطرت کے موافق ومطابق ہیں۔ فطرت سلیمہ نے کسی قانونِ شرعی میں ردوبدل کا نہ کبھی مطالبہ کیا ہے اور نہ کرے گی (انشاء اللہ) ہاں فطرتِ خبیثہ رذیلہ اس کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کسی حکم شرعی میں کوئی نقص یا خامی ہے بلکہ اس کی وجہ خود مطالبہ کرنے والی فطرت کا نقص اور کجی ہے۔ الغرض اسلام نے وضع قانون میں انسانی مزاج اور فطرت کی بدرجۂ اتم رعایت برتی ہے۔ خوشی ہو یا غمی، صحت ہو یا مرض، بچپن ہو یا جوانی یا بڑھاپا۔ شریعت نے ہر حال، ہر آن اور ہر مرحلہ پر انسانی مزاج کے موافق احکام وقوانین مقرر کئے ہیں۔

مزاح اور خوش طبعی!

مزاح اور خوش طبعی یا مذاق اور دل لگی ایک ایسی پرکیف اور سرور آگیں کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تقریباً ہر انسان میں ودیعت فرمائی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ مادہ کسی میں کم تو کسی میں کوٹ کوٹ کر رکھا ہے سرور و انبساط کے موقع پر انسان سے بکثرت اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ بلاشبہ ایک ایک عظیم نعمتِ خداوندی ہے۔ جو دلوں کی پژمردگی کو دور کرکے ان کو سرور وانبساط کی کیفیت سے ہمکنار کرتا ہے۔ عقل وفہم کے تعب وتکان کو زائل کرکے نشاط اور چشتی سے معمور کرتا ہے۔ جسمانی اضمحلال کو ختم کرکے فرحت وراحت سے آشنا کرتا ہے۔ روحانی تکدر اور آلودگی کو مٹا کر آسودگی کی نعمت سے روشناس کراتا ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ غمزدہ اور مصیبت کے مارے انسان کے سر سے غم واندوہ کے بادلوں کو ہٹانے اور چھٹانے کے لئے اسی نعمت سے کام لیا جاتا ہے۔ الغرض مزاح اور دل لگی انسانی فطرت کا ایک لازمی حصہ ہے جو خود خالق ومالک نے اس میں ودیعت فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فردِ بشر میں یہ مادہ معتد بہ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ جو شخص اس عطائے الٰہی کو منجمد نہیں رہنے دیتا اس کو

بروئے کار لاتا ہے وہ صحیح معنی میں فوائدِ کثیرہ اور منافعِ عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص اس ودیعت الٰہی سے استفادہ نہیں کرتا بلکہ بہ تکلف اسکو دباتا ہے۔ اپنے اوپر وقار اور سنجیدگی کا خول چڑھالیتا ہے اور اپنے آپ کو وقار اور تمکنت کا مجسم پیکر بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اسے مغرور، متکبر، بدمزاج، بدخلق، نک چڑھا جیسے القابِ بے بہا سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے لئے افادہ اور استفادہ امر محال بن جاتے ہیں وہ چاہے کثیر وعظیم علوم کا امین ہو اور دیگر بہت سے خواص کا حامل ہو مگر اس کے ان خواص سے اہل عالم کما حقہ استفادہ نہیں کر پاتے اس کے برخلاف جو انسان اس نعمت خداوندی کو بروئے کار لاتا ہے۔ اسے منجمد نہیں رہنے دیتا اہل دنیا اسے متواضع، منکسر المزاج، خوش اخلاق، خوش طبع، خوش مزاج جیسے القاب سے نوازتے ہیں، اپنے متعلقین ومتوسلین میں وہ بڑا ہی مقبول ومحبوب ہوتا ہے۔ دنیا میں وہ ہر دلعزیز بن کر زندگی بسر کرتا ہے کثیر تعداد میں لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں نتیجتاً اس کی صلاحیتوں اور استعداد کو جلاء ملتی جاتی ہے اور اس کی قابلیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بہ ہمہ وجوہ امت کے فکر وغم میں مستغرق ہونے کے باوجود ان میں بھی ایک فطری جذبہ ہے۔ موقع اور محل کی مناسبت سے انسان سے اس کا صدور مطلوب ہے اور محمود بھی۔ جب شریعتِ اسلامیہ عین فطرتِ انسانیہ کے موافق ہے تو اس میں اس فطری جذبے یعنی مزاح وخوش طبعی کے احکام نہ ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔

مزاح کا شرعی حکم!

ہماری شریعت تمام امور میں اعتدال پسند واقع ہوئی ہے، لہٰذا مزاح اور خوش طبعی میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ موقع اور محل کی مناسبت سے احیاناً مزاح مباح بلکہ مستحب ہے۔ تو اس کی کثرت اور اس پر مداومت مذموم قرار دی گئی ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں: اعلم ان المزاح المنهی عنه ہو الذی فیه افراط ویداوم علیه فانه یورث الضحک وقسوة القلب ویشغل عن ذکر اللّٰہ والفکر فی مہمات الدین ویؤول فی کثیر من الاوقاتِ الی الایذاء ویورث الاحقاد ویسقط المہابة والوقار فاما من سلم من ہذہ الامور فہو المباح الذی کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یفعله علی الندرة لمصلحةٍ تطیب نفس المخاطب وموانسة وہو سنة مستحبة (مرقاۃ ج ۸ ص ۲۱۷)

(جان لو کہ مزاح وہ ممنوع ہے جو حد سے زیادہ ہو اور اس پر مداومت کی جائے کیونکہ یہ بہت زیادہ ہنسنے اور دل کے سخت ہونے کا باعث ہے، ذکر الٰہی سے غافل کر دیتا ہے اور اہم دینی امور میں غور وفکر سے باز رکھتا ہے۔ بسا اوقات ایذا رسانی تک پہنچاتا ہے۔ بغض وعناد پیدا کرتا ہے رعب و داب ختم ہو جاتا ہے لیکن جو شخص ان امور سے محفوظ ہو تو اس کے لئے مباح ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار کسی مصلحت کے پیش نظر مخاطب کو بے تکلف اور مانوس بنانے کے لئے انجام دیا اور یہ سنتِ مستحبہ ہے۔) علامہ نووی کے اس کلام سے مزاح ممنوع ومستحب اور مذموم وممدوح کی تعیین ہو جاتی ہے کہ کثرتِ مزاح چونکہ بہت زیادہ ہنسنے، قلب کے سخت اور بے حس ہونے، ذکر الٰہی سے غافل ہونے وغیرہ امورِ مذمومہ کا باعث ہے اس لئے وہ ممنوع ہے اور احیاناً مزاح سے یہ امورِ شنیعہ پیدا نہیں ہوتے اس لئے وہ سنتِ مستحبہ ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن حارث سے مروی ہے ما رأیت احداً اکثر مزاحاً من رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلم (مظاہر حق ج ۵ ص ۴۸۵) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کثیر المزاح کسی کو نہیں پایا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرتِ مزاح کے ان مفاسد سے محفوظ تھے لہٰذا آپ کے لئے وہ مباح تھا۔ ہمارے اکابر میں سے بہت سے حضرات اس وصف کے حامل رہے ہیں چنانچہ حضرت حافظ ضامن شہید علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کثرت مزاح معروف و مشہور ہے۔ حضرت تھانوی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ آپ نہایت خوش مزاج تھے چنانچہ جب کوئی ان کے پاس آتا تو فرماتے دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولانا کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں مولوی صاحب ان سے پوچھ لے اور اگر تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حضرت حاجی امداد اللہؒ کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں حاجی صاحب ان سے مرید ہو جا اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔ الغرض مزاح کی کثرت اور اس پر مداومت جس کے لئے مضر نہ ہو اس کے لئے سنتِ مستحبہ ہے اور جس کے لئے مضر ہو اس کے لئے ممنوع ہے مگر احیاناً مزاح ہر شخص کیلئے سنتِ مستحبہ ہے۔ پھر مزاح میں یہ امر بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ اس سے کسی کو ایذاء نہ پہنچے۔ کسی کی دل شکنی نہ ہو کیونکہ مزاح کہتے ہی ہیں ایسی دل لگی کو جس میں ایذاء رسانی اور دل شکنی نہ ہو۔ ثم المزاح انبساط مع الغیر من غیر ایذاءٍ فان بلغ الایذاء یکون سخریة (مرقات ج ۸ ص ۲۱۷) (پھر مزاح کسی کے ساتھ بغیر ایذاء پہنچائے دل لگی کرنا

ہے اگر یہ ایذاء کی حد کو پہنچ جائے تو وہ سخریہ اور ٹھٹھا ہے) اور سخریہ اور ٹھٹھا منہی عنہ ہے چنانچہ ارشاد باری ہے: **یا ایھا الذین آمنو لا یسخر قوم من قومٍ الایہ (پارہ ۲۶ سورہ حجرات)** "اے ایمان والو کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے" لہٰذا اس چیز کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے۔ پھر مزاح کا مبنی بر صدق و حق ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: عن ابی ہریرۃ قال قالوا یارسول اللّٰہ اِنَّکَ تداعبنا قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم انی لا اقول الاّحقاً (مشکوٰۃ ص ۴۱۶)

(صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بھی ہمارے ساتھ دل لگی فرماتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں صرف حق بات کہتا ہوں)

یعنی اگر میں تم لوگوں سے مزاح اور دل لگی کرتا ہوں تو وہ بھی مبنی برحق و صدق ہوتا ہے۔ جھوٹ پر مبنی نہیں ہوا کرتا۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ مزاحی واقعات نقل کئے جاتے ہیں تاکہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مزاح کا سنت طریقہ معلوم ہوجائے اور متبعین سنت کے لئے یہ فطری جذبہ بھی دیگر متعدد فطری جذبات کی طرح عبادت بن جائے۔ عن انسٍ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ان رجلاً استحمل رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم فقال انی حاملک علی ولد ناقۃٍ فقال ما اصنع بولد الناقۃِ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وہل تلد الابل الا النوق (مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا تو سائل نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اونٹنی اونٹ کے علاوہ بھی کسی کو جنتی ہے؟) ملاحظہ فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سائل سے مزاح بھی فرمایا اور اس میں حق اور سچائی کی رعایت بھی فرمائی سواری طلب کرنے پر آپ نے جب اونٹنی کا بچہ مرحمت فرمانے کا وعدہ فرمایا تو سائل کو تعجب ہوا کہ مجھے سواری کی ضرورت ہے اور اونٹنی کا بچہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس پر سواری کی جائے تو آپ ﷺ نے اس کے تعجب کو دور کرتے ہوئے اور اپنے مزاح کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی میں تجھے سواری کے قابل اونٹ ہی دے رہا ہوں مگر وہ بھی تو اونٹنی ہی کا بچہ ہے۔ عن انسٍ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لہ یاذالاذنین (مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے دو کان والے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت انس ؓ سے "اے دو کان والے" کہنا بھی ظرافت اور خوش طبعی کے طور پر تھا۔ اور ظرافت کا یہ انداز تو ہمارے عرف میں بھی رائج ہے مثلاً کبھی اپنے بے تکلف دوست سے یا ذہین طالب علم سے ناراضگی کا اظہار اس انداز میں کیا جاتا ہے کہ ایک چپت رسید کروں گا تو تمہارا سر دو کانوں کے درمیان ہوجائے گا۔ حالانکہ وہ پہلے سے وہیں پر ہوتا ہے۔

عن انسٍ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لامرأۃٍ عجوزٍ انہ لاتدخل الجنۃ عجوزٌ فقالت مالہن وکانت تقرء القرآن فقال لہا ما تقرئین القرآن اِنَّا انشئناہن انشاءً فجعلنہنّ ابکارًا (مشکوٰۃ ص ۴۱۶)

(حضرت انس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت قرآن پڑھی ہوئی تھی اس نے عرض کیا بوڑھی کے لئے کیا چیز دخولِ جنت سے مانع ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا ہم جنتی عورتوں کو پیدا کریں گے پس ہم ان کو کنواریاں بنادیں گے۔) ایک اور روایت میں یہ واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ اس صحابیہ عورت نے جو بوڑھی تھیں آپ سے دخولِ جنت کی دعا کی درخواست کی تو اس پر آپ نے مزاحاً فرمایا کہ بڑھیا تو جنت میں داخل نہیں ہوگی، یہ سن کر بڑھیا کو بڑا رنج ہوا اور روتے ہوئے واپس چلی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر اس عورت کو کہہ دو کہ عورتیں بڑھاپے کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اِنَّا انشئناہن انشاءً فجعلنہنّ ابکارًا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح اس واقعہ میں بھی مبنی برحق تھا مگر آپ نے ایک سچی بات کو مزاحیہ انداز میں بیان کر کے امت کو یہ تعلیم دی کہ کبھی کبھار مذاق اور دل

حضرت انس حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ وہ عورت قرآن پڑھی ہوئی تھی اس نے عرض کیا بوڑھی کے لئے کیا چیز دخولِ جنت سے مانع ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا ہم جنتی عورتوں کو پیدا کریں گے پس ہم ان کو کنواریاں بنادیں گے۔

لگی بھی کر لینی چاہئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مزاحی واقعہ پر تو مر مٹنے کو جی چاہتا ہے اور

مزاح مبنی بر صدق ہونا چاہئے اور اس میں ایذاء رسانی اور دل شکنی کا پہلو نہ ہونا چاہئے بلکہ مخاطب کی دلجوئی اور نشاط آوری مقصود ہونی چاہئے

بے اختیار دل سے نکلتا ہے کہ کاش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق بننے والے اس صحابی کی جگہ یہ ناپاک ہوتا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بدوی صحابی زاہر بن حرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ دیہاتی اشیاء بطور ہدیہ لایا کرتے تھے حضور ﷺ بھی واپسی پر اسے کچھ شہری اشیاء ہدیۃً عنایت فرماتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے زاہر ہمارا باہر کا دوست ہے اور ہم اس کے شہر کے دوست ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم زاہر سے بڑی محبت فرماتے تھے ویسے زاہر ایک بدصورت آدمی تھے ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے تو زاہر کو اپنا سامان بیچتے ہوئے پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیچھے سے اپنے ساتھ اس طرح چمٹا لیا کہ اپنے دونوں ہاتھ اس کے بغلوں کے نیچے سے لیجا کر اس کی آنکھوں پر رکھ دیئے تا کہ وہ پہچان نہ پائے (یہ افتاد دیکھ کر) زاہر نے کہا کہ کون ہے؟ چھوڑ مجھے۔ (پھر اس نے کوشش کر کے) مڑ کر دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا (اور پہچانتے ہی) اپنی پیٹھ نبی ﷺ کے سینۂ مبارک سے مزید چمٹانے لگا ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ صدا بلند کرنے لگے کہ ارے کوئی اس غلام کا خریدار ہے؟ اس پر زاہر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بخدا آپ مجھے کھوٹا سکّہ پائیں گے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹا سکّہ نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ ص۴۱۶) سبحان اللہ دو جہانوں کے سردار اور اللہ کے محبوب ہونے کے باوجود آپ کی یہ سادگی؟ اور ذرا سوچئے اس طرح کے بے تکلّفانہ رویہ پر حضرت زاہر کا دل بلیوں نہ اچھلنے لگا ہوگا؟ سیروں خون نہ بڑھ گیا ہوگا؟

عن عوف بن مالک الاشجعی قال اتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک وہو فی قبۃٍ من ادمٍ فسلمت فردّ علیّ وقال فقلت أکلی یا رسول اللّٰہ قال کلّک فدخلت (مشکوٰۃ ص۴۱۷) (حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے جواب دیا اور فرمایا کہ اندر آجاؤ میں نے (مزاح کے طور پر) عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا میں پورا اندر داخل ہو جاؤ؟ تو آپ نے فرمایا ہاں پورے داخل ہو جاؤ، چنانچہ میں داخل ہو گیا) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صحابہ سے اسقدر بے تکلف تھے کہ صحابہ آپ سے مزاح بھی کر لیا کرتے تھے۔ ایک انصاری صحابیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جا جلدی سے اپنے خاوند کے پاس اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے وہ ایک دم گھبرا کر خاوند کے پاس پہنچی تو خاوند نے پوچھا کیا مصیبت ہے؟ اس طرح گھبرا کر دوڑی کیوں چلی آئی؟ اس نے کہا کہ مجھے میرے نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے اس نے کہا ٹھیک ہے مگر سیاہی بھی تو ہے تب اسے اندازہ ہوا کہ یہ مزاح تھا اور ہنس کر خوش ہوئی اور فخر محسوس کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ مجھ سے اس قدر بے تکلف ہوئے کہ میرے ساتھ مزاح فرمایا (لطائف علمیہ ص۱۰) اس کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کے بہت سے واقعات کتب احادیث میں موجود ہیں جو مزاح کے سنتِ مستحبہ ہونے پر دال ہیں۔ لیکن یہ تمام واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ مزاح مبنی برصدق ہونا چاہئے اور اس میں ایذاء رسانی اور دل شکنی کا پہلو نہ ہونا چاہئے بلکہ مخاطب کی دلجوئی اور نشاط آوری مقصود ہونی چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ سے بھی مزاح کے بے شمار واقعات مروی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، فاروق اعظمؓ، اور علی مرتضیٰؓ ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے اس طرح چلے جا رہے تھے کہ حضرت علیؓ بیچ میں تھے اور دونوں حضرات دونوں طرف۔ حضرت علیؓ ان دونوں کے مقابلہ میں کچھ پستہ قد تھے، حضرت عمرؓ نے مزاحاً فرمایا: "علیٌّ بیننا کالنون فی لنا" یعنی علی ہم دونوں کے بیچ میں ایسے ہیں جیسے "لنا" کے درمیان نون ہے یعنی لنا کے ایک طرف کا لام اور دوسری طرف کا الف لمبے اور درمیان میں کا نون پستہ قد ہے اس طرح ہم دونوں طویل القامت اور بیچ میں علیؓ پستہ قامت ہیں۔ اس پر حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا: "لولا کنت بینکما لکنتما لا" یعنی "اگر میں تمہارے درمیان نہ ہوتا تو تم لا ہو جاتے اور کچھ بھی نہ رہتے" کیونکہ لنا کے بیچ سے نون

ہٹادیا جائے تو وہ "لا" رہ جاتا ہے۔خلاصہ کلام یہ کہ مزاح ایک فطری جذبہ ہے انسان سے اس کا صدور مذموم اور قبیح نہیں بلکہ ممدوح اور مقصود ہے اس کا صدورانبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی ہوا ہے صحابہ کرام سے بھی اور اولیائے کرام سے بھی۔ حضرت غوثِ اعظم پیرانِ پیرشیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی جلالتِ شان سے کون ناواقف ہے؟ کسی نے آپ کو ایک بہت ہی قیمتی چینی آئینہ ہدیۃً دیا تھا حضرت کبھی کبھی اس میں اپنا چہرہ دیکھ لیا کرتے تھے اتفاقاً وہ آئینہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اس کو بڑا ہی ڈر ہوا کہ حضرتؒ عتاب فرمائیں گے اس نے ڈرتے ڈرتے حضرت سے عرض کیا از قضاء آئینۂ چینی شکست (قضاء وقدر کی وجہ سے وہ چینی آئینہ ٹوٹ گیا) تو حضرت نے یہ سن کر فی البدیہ فرمایا خوب شد اسبابِ خود بینی شکست (اچھا ہوا کہ خود بینی کا ذریعہ اور سبب ٹوٹ گیا) (حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات ص ۵۰) الغرض مزاح ایک سنتِ مستحبہ ہے جو لوگ اسے اپنی وقار اور شان کے خلاف سمجھتے ہیں وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں جبکہ یہ شان نبوت کے خلاف نہیں۔ شانِ صحابیت کے خلاف نہیں۔ شانِ ولایت کے خلاف نہیں۔ تو ہماری شان کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے؟ البتہ یہ خیال ضرورر ہے کہ ہمارا مزاح اور دل لگی کسی کی دل شکنی اور ایذاء رسانی کا سبب نہ ہو۔ اس سے آج کل کے مروجہ اپریل فل کا حکم بھی واضح ہوجاتا ہے کہ وہ ناجائز اور حرام ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اس میں اتباع بالغیر اور تشبہ بالغیر لازم آتا ہے اور دوم اس وجہ سے کہ اس میں جو مزاح اور مذاق ہوتا ہے اس میں ایذاء رسانی اور لوگوں کو پریشان کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو مزاح مبنی برحق ہو لیکن اس میں ایذاء رسانی کا خطرہ ہو تو وہ بھی ناجائز کے زمرے میں آجائے گا۔ مثلاً کوئی سائیکل یا موٹر سائیکل سوار گذر رہا ہے اس کو کہا کہ آپ کی سائیکل کے پچھلے پہیے گوم رہے ہیں حالانکہ یہ مزاح مبنی برحق ہے کہ واقعتا پچھلے پہیّے گھوم رہے ہیں، مگر سوار غلط فہمی میں مبتلا ہو کر پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے اور نتیجتاً زمین بوس ہوجاتا ہے ایسے مزاح سے پرہیز کرنا چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جملہ امور میں اتباعِ سنت کی دولت سے سرفراز فرمائے، (آمین)

ذہین بچہ

کہتے ہیں کہ عثمانی دور کا سلطان "محمود ثانی" بازاروں میں گھوم پھر کر اپنی رعایا کی خیر خبر اور حال واحوال پوچھتا پھر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک پیارے سے بچے پر پڑی. بچے سے بات چیت کی تو اندازہ ہوا کہ بچہ جتنا پیارا ہے اس سے زیادہ عقلمند اور دانا بھی ہے. سلطان نے بچے کی حوصلہ افزائی کرنے کیلئے اپنی جیب سے سونے کا ایک درہم نکال کر بچے کو دینے کی کوشش کی تو بچے نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ درہم نہیں لے سکتا, میری امی سوچے گی میں نے کہیں سے چوری کیا ہے. سلطان نے بچے سے کہا تم اپنی امی سے کہنا یہ طلائی درہم مجھے سلطان نے تحفہ دیا ہے. بچے نے سلطان سے کہا جناب عالی اس طرح تو میری ماں مجھ پر کبھی بھی اعتبار نہیں کرے گی کہ اگر سلطان نے دینا ہی تھا تو بس صرف ایک درہم؟ سلطان کو یہ سن کر احساس ہوا کہ بچہ اس کی سوچ سے کہیں بڑھ کر ذہین وفطین ہے. سلطان نے بچے کو دراہم کی پوری تھیلی دیدی.

بقیہ: بدنگاہی کا فتنہ

بچنے کا علاج مختصر طور پر تحریر کردیا جائے، چنانچہ حسبِ ذیل امور کا اہتمام کرنے سے نظر کی حفاظت بہ سہولت ہوسکے گی۔

(۱) جس وقت مستورات کا گزر ہوا اہتمام سے نگاہ نیچی رکھنا، گونفس کا تقاضہ دیکھنے کا ہو، جیسا کہ اس پر عارفِ ہندی حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ نے اس طور پر متنبہ فرمایا ہے ع

کوئے بتاں میں تو اگر جا تو سر جھکائے جا

(۲) اگر نگاہ اٹھ جائے اور کسی پہ پڑ جائے تو فوراً نگاہ کو نیچے کرلینا۔

(۳) یہ سوچنا کہ بدنگاہی سے حفاظت نہ کرنے سے دنیا میں ذلت کا اندیشہ ہے، طاعات کا نور سلب ہو جاتا ہے، آخرت کی تباہی یقینی ہے۔

(۴) بدنگاہی پر کم از کم چار رکعت نفل پڑھنے کا اہتمام اور کچھ نہ کچھ حسبِ گنجائش خیرات اور کثرت سے استغفار۔

(۵) یہ سوچنا کہ بدنگاہی کی ظلمت سے قلب ستیاناس ہوجاتا ہے اور یہ ظلمت بہت دیر میں دور ہوتی ہے، حتیٰ کہ جب تک بار بار نگاہ کی حفاظت نہ کی جائے باوجود تقاضے کے اس وقت تک قلب صاف نہیں ہوتا۔

(۶) یہ سوچنا کہ بدنگاہی سے میلان، پھر میلان سے محبت اور محبت سے عشق پیدا ہوجاتا ہے اور ناجائز عشق سے دنیا وآخرت تباہ ہوجاتی ہے۔

(۷) یہ سوچنا کہ بدنگاہی سے طاعات ذکر وتلاوت سے رفتہ رفتہ رغبت کم ہوجاتی ہے، حتی کہ ترک کی نوبت آتی ہے، پھر نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔

(روح کی بیماریاں اوران کا علاج:۸۶)

اوریا مقبول جان

آئین کی مقدس کتاب

میدانِ صحافت کے عظیم شاہسوار اوریا مقبول جان کے پرمغز قلم سے چشم کشا تحریر

آئین کی بالادستی ایک ایسا نعرہ ہے جسے جدید ریاست کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ پوری دنیا کے عوام کے دلوں میں یہ تصور مضبوط کر دیا گیا ہے کہ کوئی ریاست آئین کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو مقدس ترین ہے، اس سے انکار بغاوت ہے اور باغی کی سزا موت ہے۔ اپنے اس نظریے کو ثابت کرنے کے لیے سیاست کے طالب علموں کو اس وقت ایک عجیب وغریب دلیل دی جاتی ہے جب وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ دنیا کی قدیم ترین جمہوری ریاست برطانیہ کا تو سرے سے کوئی آئین ہی نہیں ہے۔ اس کے جواب کے لیے ان آئینی ماہرین نے ایک کمال کی اصطلاح ایجاد کی ہے۔۔۔غیر تحریری آئین (Unwritten Constitution) اس اصطلاح کے فریب کی داد دینی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کی روایات ایک آئین کا درجہ رکھتی ہیں' اس لیے وہاں تحریری آئین کی کوئی ضرورت نہیں، ان کے عوام اپنی روایات کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک عالمی طاقت اور صرف سو سال پہلے تک ایک ایسی سلطنت' جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اپنے لیے پانچ چھ سو آرٹیکلز پر مبنی ایک آئین تحریر کیوں نہیں کرتی؟ اس کے جواب میں اس کی جمہوری تاریخ اور قانون کی حکمرانی کی تاریخ بیان کر دی جاتی ہے۔ وہی تاریخ جس میں جیمز اوّل بھی ہے جو نہ انسانی حقوق کو مانتا تھا اور نہ ہی اظہار رائے کی آزادی کو، چارلس اوّل بھی ہے جو 25 سال کی عمر میں بادشاہ بنا' جس کے ہاتھوں پارلیمنٹ ایک کھلونا بنی رہی اور بالآخر 30 جنوری 1649ء کو عوام کے ہجوم نے اسے ایک بڑے چُھرے' جسے گیلوٹین کہتے ہیں' کے نیچے رکھ کر ذبح کر دیا۔ انہی روایات میں صنعتی انقلاب کے دوران بدترین چائلڈ لیبر کی تاریخ ہے، لیکن کیا کریں آئین کی بالادستی اور آئین کو مقدس دستاویز کا درجہ دینے والوں کی منطق ہی نرالی ہے۔ جدید سیکولر ریاست کے لوازمات میں آئین اوّلین شرط اور اس کی روح ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ اس عالمی معیار کے حوالے سے اسرائیلی ریاست نے ایک فقرہ تحریر کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ اسرائیل کے آئین کی کتاب صرف ایک لائن پر مشتمل ہے: ''اسرائیل کا آئین تورات ہے''۔ کاش پاکستان کا آئین تحریر کرتے ہوئے بھی اسی غیرتِ ایمانی کا اظہار کیا جاتا اور صرف ایک لائن تحریر کر دی جاتی کہ ''پاکستان کا آئین قرآن ہے اور سنت رسولؐ اس کی عملی تشریح ہے''۔ اس کے باوجود پاکستان کا آئین جو حدود و قیود متعین کرتا ہے اور حکومت اور پارلیمینٹ کو جو ذمہ داریاں تفویض کرتا ہے اس کے مطابق کوئی ایک قدم بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اب دنیا کا یہی دستور ہے کہ آئین کو ایک مقدس دستاویز مان لیا جائے اور اس تصور کو اقوام عالم میں راسخ کر دیا گیا ہے۔ یہاں پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا ایک ایسی تحریر جو ان تمام خصوصیات کی حامل ہو جس میں انسانی حقوق، قانون کی بالادستی، عدل و انصاف، معاشی، معاشرتی اور سیاسی مساوات جیسے سب اصول درج ہوں اسے ایک خوبصورت انداز میں شائع کر دیا جائے؟ اور کیا اس کی جلدیں ملک کے ہر دفتر میں موجود ہوں اور اسے ہر موقع پر رہنما کے طور پر پیش کیا جائے، اس پر فخر کیا جائے کہ ہم نے

ایک اسلامی، جمہوری اور ترقی یافتہ آئین مرتب کر لیا ہے؟ تو کیا یہ سب کسی بھی ملک کے رہنے والوں کے لیے کافی ہے؟ کیا صرف آئین میں تحریر کرنے سے لوگوں کی زندگیاں بدل جاتی ہیں، ان کی معاشی ناہمواری ختم ہو جاتی ہے، انہیں عزت نفس میسر آ جاتی ہے، انہیں ہر طاقتور کے مقابلے میں انصاف مل جاتا ہے، ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ ہو جاتا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو آئین مرتب کر کے اسے برکت کے لیے ہر اونچے مقام پر خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا اور کہا جاتا کہ ہم نے آئین میں یہ طے کر دیا ہے کہ اس ملک میں امن، انصاف اور خوشحالی ہو گی، اس لیے اب ان سب چیزوں کا مطالبہ کرنا فضول ہے، خاموشی سے بیٹھے رہو۔ یہ ہے وہ المیہ جس سے میرا ملک اس دن سے دوچار ہے جس دن سے 1973ء کا آئین اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کیا۔ جب کبھی کوئی شخص، تنظیم یا تحریک یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اس ملک میں شرعی قوانین نافذ کرو یا عرفِ عام میں کہا جاتا ہے کہ شریعت نافذ کرو تو بڑے بڑے دانشور اور ''عقلمند'' سیاست دان ایک دم پکار اٹھتے ہیں کہ شریعت تو نافذ ہے، آئین میں درج ہے۔ دوسرا ''شاندار'' مشورہ یہ دیا جاتا ہے کہ اگر شریعت کے نفاذ کا اتنا ہی شوق ہے تو اس کے لیے ایک طریق کار ہے، جاؤ الیکشن لڑو، جیت کر اسمبلی میں آؤ اور شریعت نافذ کروا لو۔ یہ کیسی ''جمہوری'' دلیل ہے؟ حضور! پاکستان کے بیس کروڑ عوام نے جو اسمبلی منتخب کی ہوتی ہے وہ اسی لیے کی ہوتی ہے کہ آئین کو مکمل طور پر ملک میں نافذ کرے۔ اس کے ممبران کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی ایک شق پر عمل کریں اور دوسری کو چھوڑ دیں۔ ان ممبران کو اس قوم نے آئین کی بالادستی اور اس کے نفاذ کے لیے ووٹ دیے ہوتے ہیں، جب وہ ایسا نہیں کر پاتے تو پھر لوگ سراپا احتجاج بنتے ہیں۔ آئین میں اعلیٰ عدالت کے ججوں کی تقرری کا ایک طریق کار درج ہے۔ اس کے مطابق پہلے مشرف اور پھر آصف علی زرداری کی حکومتوں نے چیف جسٹس اور دیگر جج مقرر کیے، لیکن عوام یہ سمجھتے تھے کہ یہ آئین کی روح کے ساتھ ایک مذاق ہے؛ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پورے ملک میں صرف ایک لاکھ وکیل ہیں، کیا کسی نے ان سے کہا کہ آئین کی حکمرانی چاہتے ہو تو جاؤ الیکشن لڑو، اسمبلیوں میں آؤ اور اپنی مرضی سے آئین کو نافذ کرو؟ کیا یہ ایک لاکھ وکیل پورے ملک کی نمائندگی کرتے تھے؟ ہاں کرتے تھے، اس لیے کہ اس ملک کے عوام کی رائے سے جو آئین بنا تھا، وہ اس کے نفاذ کی بات کرتے تھے۔ اس ملک میں یہ جنگ، یہ فساد، یہ خانہ جنگی اور بار بار لوگوں کا سڑکوں پر نکلنا صرف ایک ہی وجہ سے ہے کہ ہم نے لوگوں کے ہاتھوں میں ایک خوبصورت دستاویز آئین کے نام سے تھما دی ہے اور پھر اس کو اسمبلی کی الماریوں میں سجا کر بھول گئے ہیں کہ اسے نافذ بھی کرنا ہے۔ اسی لیے خواہ 1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تحریک چلے یا پھر کسی ایسے قانون کے خلاف جو شریعت سے متصادم ہو تو نعرہ ایک ہی بلند ہوتا ہے کہ شرعی قوانین نافذ کرو، شریعت نافذ کرو۔ کیا آئین میں یہ درج نہیں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ سود ختم کرے، لوگوں کو اسلامی طرز زندگی اپنانے کے لیے سہولیات فراہم کرے، قرآن کی تعلیم کے لیے عربی زبان سکھانے کا بندوبست کرے، فحاشی و عریانی اور فحش ادب کا خاتمہ کرے، تمام قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل درآمد کرے؟ ہماری منافقت کا عالم یہ ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل' جس میں تمام مسلکوں کے علماء شامل ہیں' نے اپنی تمام سفارشات مدتوں سے مکمل کر رکھی ہیں، لیکن آج تک یہ سفارشات اسمبلی میں پیش نہیں ہوئیں۔ حکومت جس نے سود کا خاتمہ کرنا ہے وہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف سود کے حق میں نظرثانی کے لیے جاتی ہے۔ فحاشی و عریانی کو میڈیا کی آزادی کے نام پر قبول کیا جاتا ہے۔ یہ ہے ہماری منافقت اور یہی ہے اس ملک میں فساد کی اصل وجہ۔ آپ لوگوں کی امنگوں کے مطابق ایک دستاویز ترتیب دیتے ہیں، اِسے مقدس ترین کتاب کا درجہ بھی دیتے ہیں لیکن ہر دوسرے دن اپنے عمل سے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ چمن میں اپنی تعیناتی کے دوران میرے سامنے ایک کیس پیش ہوا، ایک شخص کی زمین پر کسی طاقتور نے قبضہ کر لیا تھا، وہ روز تھانیدار کے پاس جاتا کہ اس طاقتور سے اس کی زمین کا قبضہ چھڑائے۔ تھانیدار کہتا، بابا یہ ایک دیوانی مقدمہ ہے، جاؤ کسی دیوانی عدالت میں دعویٰ دائر کرو۔ کئی مہینے معاملہ ایسے ہی چلتا رہا۔ ایک دن اس شخص نے اس طاقتور کو قتل کر دیا اور تھانیدار سے جا کر کہا اب مقدمہ فوجداری ہو گیا ہے، اب کارروائی کرو۔ ہم بھی حالات کے فوجداری ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو چیختے ہیں کہ طاقت سے اپنی بات منواتے ہو؟ یہ کوئی جمہوری طریقہ ہے؟ آئین میں سب کچھ درج ہے۔ کل کوئی ایسا ہی کرنے کو کہے گا!!

دعا کی قبولیت کے اوقات

ماخوذ از مجموعہ وظائف

یوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر وقت سنتا اور بندوں کی حفاظت اور خبر گیری کرتا رہتا ہے، وہ کبھی بھی غافل نہیں ہوتا، اس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنی عبادات ومناجات کے لیے بعض ایسے خاص خاص اوقات مقرر کر دیئے ہیں کہ ان وقتوں میں دعائیں بہت جلدی قبول ہوتی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) ہر رات کا آخری حصہ: اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں سے فرماتے ہیں کہ تم مجھ سے مانگو میں دوں گا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ”ہمارا پروردگار ہر رات کے آخری حصے میں آسمان دنیا پر آکر فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی ہے مجھ سے مانگنے والا، جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں، کوئی ہے مجھ سے مغفرت مانگنے والا میں اس کی مغفرت کروں۔ (صحیح بخاری) اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر رات کی نصف میں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ (کنز العمال)

(۲) جمعہ کی رات: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ ”جمعہ کی رات میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں دعا قبول کی جاتی ہے“۔ (نزل الابرار)

(۳) جمعہ کے دن؛ جمعہ کے دن میں بھی ایک وقت ہے کہ اس میں ضرور دعا قبول ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ ”جمعہ کے دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ جس مسلمان کو وہ ساعت مل جائے اس میں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرردے گا“ (بخاری) اکثر علماء کرام کی رائے میں وہ عصر کے بعد آفتاب کے غروب ہونے کا وقت ہے۔ (۴) شب قدر میں؛ قرآن وحدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ (حصنِ حصین) (۵) اذان کے وقت دعا قبول ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”دو وقت دعا رد نہیں کی جاتی اذان کے وقت اور کافروں سے لڑتے وقت“ (ابو داود) (۶) فرض نمازوں کے بعد دعا قبول ہوتی ہے حدیث میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے دریافت کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ، دعا کس وقت قبول ہوتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”رات کے وقت ار فرض نمازوں کے بعد دعا قبول ہوتی ہے“ (ترمذی) (۷) سجدے کی حالت میں دعا قبول ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”سجدے میں بندہ اپنے رب کے بہت نزدیک ہو جاتا ہے تو دعا زیادہ مانگا کرو۔ (مسلم) (۸) قرآن مجید کے تلاوت اور ختم قرآن مجید کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ (مصنف ابی شیبہ) (۹) عرفہ کے دن (ذی الحجہ کی نویں تاریخ) دعا قبول ہوتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ”عرفہ کا دن دعا کے لیے بہترین ہے“ (ترمذی) (۱۰) رمضان میں افطاری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کے تین قسم کے لوگوں کی دعا قبول ہوتی ہے ایک ان میں روزہ دار بھی ہے جب وہ روزہ کھولے“ (ترمذی) (۱۱) زمزم کا پانی پیتے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ (۱۲) امام کے ”غیر المغضوب علیھم ولا الضالین“ پڑھ کر آمین کہنے کے بعد۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے پچھلے سارے گنا معاف ہو جائیں گے“ (۱۳) تہجد کے وقت (۱۴) دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر (۱۵) اذان اور اقامت کے درمیانی وقفے میں (۱۶) مرغے کی بانگ کے وقت۔۔۔

تم کو کیسے کہوں پھر؟ میں آزادی مبارک!

تم ہی کھولو ذرا لب، آزادی ہے کہاں اب؟
تم کو کیسے کہوں پھر؟ میں آزادی مبارک!

یہ تہذیب وثقافت، کس کی ہے یہ عنایت
چاہے فکر و عمل ہو، یا ہو رسم و روایت
یہ غیروں کی غلامی، یہ اپنوں سے بغاوت
تو نے سوچا کبھی تو، کیسی ہے یہ محبت

تم ہی کھولو ذرا لب، آزادی ہے کہاں اب؟
تم کو کیسے کہوں پھر؟ میں آزادی مبارک!

اُلفت ہے نہ امانت، چاہت ہے نہ صداقت
غیرت ہے نہ شرافت، عزت ہے نہ دیانت
شدت ہے یا شرارت، دھوکہ ہے یا عداوت
بربادی کا سماں وہ، ہو جیسے کہ قیامت

تم ہی کھولو ذرا لب، آزادی ہے کہاں اب؟
تم کو کیسے کہوں پھر؟ میں آزادی مبارک!

یاں کھویا ہے سبھی کچھ، پایا کچھ بھی نہیں تب
تاریکی ہے کیوں اب؟ روشن جو ہے دیا جب
پھر ختم یہ ہوگا کب؟ آزادی کا سفر اب
یاں کب ہوگا اُجالا؟ ذیشاں ہوگی سحر کب؟

تم ہی کھولو ذرا لب، آزادی ہے کہاں اب؟
تم کو کیسے کہوں پھر؟ میں آزادی مبارک!

محمد ذیشان ظفر

سیدابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاہ فیصل سے ملاقات اور عجیب نصیحت!

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ شاہ فیصل سے ملاقات کیلئے جب ان کے محل تشریف لے گئے، تو محل کی خوبصورتی، اس کی سجاوٹ اور اس کی آرائش وزیبائش دیکھ کر شاہ فیصل سے یوں گویا ہوئے:

میں سوچ رہا ہوں اور مجھے یاد آرہا ہے کہ ہمارے ہندوستان میں بھی ایک بادشاہ گزرا ہے، اس کی سلطنت آج کے پورے ہندوستان اور پاکستان پر نہیں بلکہ نیپال، سری لنکا اور افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی، اس نے 52 سال اتنی بڑی سلطنت پر حکومت کی مگر اقتدار کے 52 سالوں میں سے 20 سال گھوڑے کی پیٹھ پر گزارے، اس کے دور میں مسلمان آزاد تھے، خوشحال تھے، ان کیلئے ہر قسم کی آسانیاں تھیں لیکن بادشاہ کا حال یہ تھا کہ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا، قرآن مجید کی کتابت کر کے اور ٹوپیاں سی کر اپنا خرچ چلاتا تھا، خزانے کو اللہ کی اور اس کی مخلوق کی امانت سمجھتا تھا، وہ خود روکھی سوکھی کھاتا مگر دوسروں کیلئے لنگر چلاتا تھا، وہ خود تنگ دست تھا مگر دوسروں کیلئے موتی لٹاتا تھا، وہ فقیر تھا مگر دل کھول کر غریبوں کی مدد کرتا تھا۔ عیاشی کے تمام سامان اس کے ایک اشارے پر فراہم ہو سکتے تھے، مگر وہ آخرت کو یاد کر کے روتا تھا۔ راتوں کو پروردگار کے حضور میں کھڑا رہتا تھا، اور اپنی کوتاہیوں پر رو رو کر معافی مانگتا تھا، اپنے دربار میں وہ بادشاہ تھا لیکن اللہ کے دربار میں فقیر بن کر کھڑا رہتا، اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتا، اس وقت مسلم حکمراں غریب اور سادہ تھے، مگر عوام خوشحال اور آسودہ تھے۔ آج آپ کا یہ محل دیکھا تو خیال آیا کہ سب کچھ کتنا بدل گیا ہے، آج ہمارے بادشاہ خوشحال ہیں اور عوام غریب و محتاج۔ بادشاہ شاندار محلوں میں رہتے ہیں، مگر رعایا کو جھونپڑی بھی میسر نہیں۔ پہلے کے بادشاہ پوری قوم کیلئے دردمند تھے مگر اب بادشاہوں کو کسی کا کوئی خیال ہی نہیں۔ اپنی عیاشی میں مست ہیں۔ فلسطین کے عربوں کو دیکھیئے کہ کیا حال کر دیا ہے ان کا یہودیوں اور نصرانیوں نے، فلسطین میں مسلمان بے گھر ہیں، کشمیر میں ان کا لہو ارزاں ہے، وسط ایشیاء میں وہ اسلام کی شناخت سے محروم ہیں۔ آج میں نے آپ کے محل میں قدم رکھا تو اسلام کی پوری تاریخ میری نظر میں گھوم گئی اور پہلے کے اور اب کے بادشاہوں کے تقابل میں کھو گیا۔

جب مولانا خاموش ہوئے تو شاہ فیصل کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا، اب ان کی باری تھی لیکن وہ زاروقطار رو رہے تھے، رونے کی آواز سن کر محافظ دوڑتے ہوئے آئے، تو شاہ فیصل نے ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کیلئے کہا اور مولانا سے مخاطب ہو کر بولے: وہ بادشاہ اس لئے تھے کہ انہیں آپ کے جیسے بے باک اور مومنانہ شان رکھنے والے ناصح میسر تھے۔ آپ تشریف لاتے رہیں تا کہ ہم کمزوروں کو نصیحت ملتی رہے۔